نقاب چہرے
علیم الحق حقی

علیم الحق حقی

ناشر

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰- عزیز مارکیٹ ، اُردو بازار ، لاہور - فون ۷۲۴۷۴۱۴

بار اوّل ——— ۲۰۰۳ء

مطبع ——— یو اینڈ می پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ ——— صوبا کمپوزنگ سنٹر، لاہور

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

ISBN 969-517-096-X

نقاب چہرے

جدید دور کی ایجادات نے جہاں زندگی کو سہل بنایا وہاں اسے پیچیدہ بھی بنا دیا ہے۔ یہ پیچیدگی انسان کے اندر بھی سرایت کر گئی ہے۔ اس نے خود کو چھپانے کے لئے چہرے پر کئی کئی نقاب چڑھا لئے ہیں۔ ہمارے اردگرد ہر چہرہ نقاب چہرہ ہے۔

ایک نڈر صحافی کی جرأت آمیز کہانی جو معاشرے کے گھناؤنے چہروں کو بے نقاب کرنے کا عزم رکھتا تھا۔

اسٹاکسٹ

علی بک سٹال

نسبت روڈ، چوک میو ہسپتال لاہور

شہر سے قریب تر ساحل کے پاس فیشن ایبل بستیاں تو ہوتی ہی ہیں۔ بنگلے' لگژری اپارٹمنٹس' سپر مارکیٹیں' ٹینس کلب' سو یہ سب کچھ وہاں بھی تھا۔ ضرورت کی ہر چیز وہاں میسر تھی مگر مہنگے داموں۔ یہاں تک کہ ساحل پر ٹھیلے لگا کر فرائی فش' چھولے' چاٹ' چائے' شربت اور دیگر الم غلم فروخت کرنے والے بھی ساحل پر تفریح کی غرض سے آنے والے عام لوگوں کو جی بھر کے لوٹتے تھے۔

ساحل کی پٹی پر مغرب کی سمت ایک میل کے فاصلے پر ماہی گیروں کی ایک بستی بھی تھی۔ اس حصے کی طرف کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہاں مچھلیوں کی بساند تھی' غربت تھی' ضرورت کی تمام اشیاء تفریحی ساحل کی بہ نسبت یہاں بہت سستی ملتی تھیں۔ اس بستی کی حدود کے باہر ایک غیر سرکاری بستی بھی تھی۔ وہاں اِکا دکا جھونپڑیاں تھیں۔ جھونپڑیوں میں اس بستی کے صاحبِ حیثیت لوگ رہتے تھے۔ غریب غربا' اس سے بے نیاز تھے۔ وہ جہاں جگہ ملتی' پڑ رہتے۔ ان کی دلچسپی اور ہی تھی۔ وہ زندگی سے زیادہ کچھ طلب نہیں کرتے تھے۔ بہت تھوڑا سا مانگتے تھے اور وہ بھی انہیں بہت مشکل سے ملتا تھا۔ وہ تمام کے تمام ہیروئن کے عادی تھے۔ ہیروئن کی لت میں انہوں نے اپنے گھربار' سب کچھ لٹا دیا تھا۔ بیچنے کو کچھ نہیں بچا تو اپنا خون بیچتے رہے اور جب اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا تو طلب کے ہاتھوں میں مجبور ہو کر چوریاں چکاریاں کرنے لگے۔ ان میں بیشتر ایسے تھے' جنھوں نے زندگی میں کبھی چوری کا تصور بھی نہیں کیا ہو گا لیکن جب ہیروئن کی طلب وجود میں چنگھاڑتی ہے اور نسیں پھیلنے' تڑخنے لگتی ہیں تو انسان انسان نہیں رہتا' کچھ اور ہو جاتا ہے۔

نہ جانے وہ کون ہو گا' جس نے سب سے پہلے یہاں کا رخ کیا' کسے یہ آئیڈیا سوجھا ہو گا۔ یقیناً کوئی مغرب زدہ' مغرب میں منشیات کے عادی ساحلوں کا رخ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں منشیات کے سوا ہر چیز مفت ملتی ہے۔ دھوپ' ہوا' سونے کا ٹھکانا! ہر چیز مفت ویسے بھی وہاں آدمی دنیا سے' لوگوں سے بیزار ہو کر تصوراتی دنیا آباد کرنے کے

لیے نشے کا سہارا لیتا ہے۔ جب کہ ہم شوق میں' تجربے کی خاطر اور کبھی دوستوں کا ساتھ دینے کے لیے اس لعنت کو گلے لگاتے ہیں۔ پھر بھی نشے کے عادی لوگ یہ جان ہی لیتے ہیں کہ اب وہ معاشرے کے لیے قابل قبول نہیں رہے۔ اپنے جیسوں کے درمیان رہنے ہی میں انہیں عافیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ خود کو کسی چھوت کی بیماری میں مبتلا محسوس کرتے ہیں' سرچھپانے کا ٹھکانا اگر ہوتا ہے تو وہ ہیروئن کے چکرے میں گنوا بیٹھتے ہیں۔ ایسے میں اپنی بستی میں کسی چبوترے پر' کسی پلیا پر بیٹھنا انہیں اچھا نہیں لگتا۔ گرد و پیش میں صحت مند لوگ ہوتے ہیں' کچھ ان پر رحم کھاتے ہیں' کچھ نفرت کرتے ہیں' کچھ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کا یہی دل چاہتا ہے کہ وہ صحت مند لوگوں سے دور' اپنے جیسے بیماروں کے درمیان رہیں' جہاں انہیں نشے کے حصول کے سوا کوئی فکر نہ ہو۔

اس اعتبار سے وہ غیر سرکاری بستی نشے بازوں کی جنت بن گئی تھی۔ اس جنت کا ایک داروغہ بھی تھا........ مستان۔ ساحلی دیوار کے قریب اس کی جھونپڑی بھی تھی۔ وہ ان سے قیمت لے کر انہیں ہیروئن فراہم کرتا تھا۔ وہ ہیروئن کہاں سے لاتا تھا' اس سے انہیں کوئی غرض بھی نہیں تھی۔

ساحلی تفریح گاہ ایک میل دور تھی۔ لہٰذا کوئی صحت مند انسان اس طرف کا رخ نہیں کرتا تھا۔

اسی لیے ریت پر لیٹے ہوئے مجو نے اس خوش لباس شخص کو اپنے سرپر کھڑا دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

نووارد بدستور کھڑا اسے بغور دیکھتا رہا۔ چند لمحے بعد وہ بولا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”مجو۔“

”پورا نام بتاؤ۔“

”مظہر۔“ اس نے جواب دیا۔ ”لیکن لوگ مجھے مجو کہتے ہیں۔“

”دیکھو مجو........ میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔“ خوش لباس شخص نے کہا۔ ”صرف تجویز سننے کا معاوضہ ایک ہزار روپے دوں گا۔ اگر تجویز منظور نہ ہو تو ایک ہزار جیب میں رکھو اور مجھے بھول جاؤ لیکن اس گفتگو کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ بولو' منظور ہے؟“

”تم مجھ سے کوئی جرم کروانا چاہتے ہو؟“

”ظاہر ہے۔ کارِ ثواب کا معاوضہ کون بے وقوف دے گا۔“ خوش لباس شخص نے

مضحکہ اڑایا۔

”ہاں' یہ تو ہے۔“ مجو نے سرہلایا۔ ”ٹھیک ہے' ایک ہزار روپے کے عوض میں سن سکتا ہوں۔ بولو........ کیا چاہتے ہو؟“

”میں چاہتا ہوں........“

”نہیں' پہلے معاوضہ۔“ مجو نے اس کی بات کاٹ دی۔ خوش لباس شخص نے جیب میں سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکالا اور اس کی گود میں ڈال دیا۔ ”گن لو۔“ اس نے کہا۔

مجو نے نوٹ گنے اور سر کو اثباتی جنبش دی۔ ”ہاں........ اب کہو' تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے قتل کر دو۔“ خوش لباس شخص نے کہا۔ ”تفصیل سننے کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ ساحل پر میری کار موجود ہے۔ اس وقت وہاں زیادہ رش نہیں۔ سیاہ مرسڈیز میری ہے۔ تم آجاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ ساحل کے ساتھ ساتھ مشرق کی سمت چل دیا۔

مجو رینا کی طرف آیا' جو جھونپڑی کے باہر ریت پر بے سدھ پڑی تھی۔ مجو نے جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور ریت میں گڑھا کھود کر لفافہ اس میں دبا دیا اور مٹی برابر کر دی۔ وہ باہر نکلا۔ اس بار اس کے قدموں کی چاپ سن کر رینا اٹھ بیٹھی۔ ”کہاں جا رہے ہو مجو؟“ اس نے پوچھا۔

”کام سے جا رہا ہوں۔“

”کب واپس آؤ گے؟“

”کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”مجھے کچھ پیسے دیتے جاؤ۔“

مجو نے جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر اسے دیا اور اُس طرف چل دیا' جدھر خوش لباس شخص گیا تھا۔

تفریحی ساحل پر سیاہ مرسڈیز ایک ہی تھی وہ گاڑی کی طرف چل دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر خوش لباس شخص موجود تھا۔ اس نے اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔ مجو گاڑی میں بیٹھا تو خوش لباس شخص نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ مجو نے اس کو بغور دیکھا اس کی آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ تھا۔ وہ خوبرو آدمی تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ سگریٹ سلگانے کے لیے اس نے جیب سے سونے کا گیس لائٹر نکالا۔ حالانکہ ڈیش بورڈ

سے بھی ایک لائٹر منسلک تھا۔

کار کا رخ فیشن ایبل ساحلی بستی کی طرف تھا۔ خوش لباس شخص نے ایک الگ تھلگ اور وسیع و عریض بنگلے کے گیٹ پر کار روکی۔ گیٹ پر خالد محمود کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی......... خوش لباس شخص نے اتر کر گیٹ کھولا اور گاڑی کو پورچ میں لے گیا۔ مجو بڑے تجسس سے گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔ بنگلے کے تین طرف بے حد وسیع و عریض اور خوب صورت لان تھا۔ وہ بنگلے کے رقبے کا اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ کم از کم اسے تو وہ اچھی خاصی کالونی معلوم ہو رہا تھا۔

''پہلے یہ بتاؤ، تم مرنا کیوں چاہتے ہو؟'' مجو نے بیٹھتے ہی پوچھا۔

''مجھے ایک یقینی اور اذیت ناک موت کا سامنا ہے۔ میں اس مرحلے سے بچنا چاہتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''کچھ عرصہ پہلے مجھے بتایا گیا کہ مجھے کینسر ہے۔ میں کئی بار اپنا میڈیکل چیک اپ کرا چکا ہوں۔ رپورٹ سے یہی ثابت ہوا ہے۔''

''دیکھنے میں تو تم ٹھیک لگتے ہو۔'' مجو نے اعتراض کیا۔

''ابھی ابتدائی اسٹیج ہے۔ آہستہ آہستہ ظاہری علامات بھی ظاہر ہوں گی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس کے بعد سب کچھ بہت تیزی سے ہو گا۔''

''ڈاکٹروں نے کچھ بتایا کہ تمہاری زندگی کا کتنا عرصہ باقی ہے؟''

''ہاں......... تین ماہ......... زیادہ سے زیادہ پانچ ماہ۔ شاید اب سے ایک ماہ بعد میں یہ بات چھپا بھی نہیں سکوں گا۔''

''پھر بھی، ایسے میں تو ایک مہینہ بھی بہت قیمتی ہوتا ہے۔''

''آدمی کو ایسا بھیانک فیصلہ کرنا پڑے تو وہ جلد بازی کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جلد از جلد سب کچھ ختم ہو جائے۔''

''تو میری کیا ضرورت ہے؟ خودکشی کر لو۔'' مجو نے بے رحمانہ لہجے میں کہا۔

''میں جس کمپنی میں ہوں اس نے میری زندگی کا بیمہ تیس لاکھ روپے میں کرایا ہے۔ میں شادی شدہ ہوں......... اور ایک بچی کا باپ بھی ہوں۔ تیس لاکھ روپے ضائع کیوں کروں؟ کیوں ڈبوؤں اتنی بڑی رقم؟ جب کہ یہ رقم میرے لواحقین کو بھی عمر بھر کی بے فکری دے سکتی ہے۔ دوسری طرف جس اذیت سے مجھے گزرنا ہے، اس کے لیے کوئی

مجھے تین ارب روپے بھی دے تو میں انکار کر دوں۔ میں سمجھتا ہوں، میں نے بے حد عاقلانہ فیصلہ کیا ہے۔''

''لیکن تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں پڑی؟'' مجو نے اعتراض کیا۔

''تم آوارہ گرد ہو۔ ساحل پر اچانک ہی نمودار ہوئے اور اچانک ہی کہیں بھی جا سکتے ہو۔ تمہیں کسی طرح بھی میرے قتل میں ملوث نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے تمہارے کھسکنے کا منصوبہ بھی بے داغ بنایا ہے۔ اس کی میرے لیے بہت اہمیت ہے۔ تم پکڑے گئے تو پوری کہانی پولیس کو سنا دو گے۔ اس کے بعد بیمے کی رقم ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اور فرض کر لو کہ میں آوارہ گرد نہیں ہوں، ممکن ہے میں بے فکری سے چھٹیاں گزارنے یہاں آیا ہوں۔''

''یہ ناممکن ہے، یہ امریکا نہیں ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہوتا اور پھر میں پچھلے چار دن سے تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ تم ساحل پر معاشرے کے ناسوروں کے ساتھ رہ رہے ہو۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا منشیات کے ماروں کے درمیان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم خود بھی ہیروئن کے عادی ہو۔''

''ممکن ہے، میرا تعلق پولیس سے ہو۔''

''میں نے کہا نا کہ یہ امریکا نہیں ہے۔''

''چلو، مان لیا۔ مگر یہ بتاؤ، اتنے سارے لفنگوں میں، میں ہی تمہیں کیوں پسند آیا؟'' مجو نے پوچھا۔

''تم کم عمر نہیں ہو، دیکھنے میں کم عمر لگتے ہو لیکن تمہاری عمر تیس سے کم ہرگز نہیں۔ تم ابھی پوری طرح تباہ نہیں ہوئے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر تمہیں ہیروئن کی لت نہ ہوتی تو تم ان بدبو دار لوگوں کا ساتھ ایک منٹ بھی گوارا نہ کرتے۔ تم کام کر سکتے ہو......... ہاتھ پیر ہلا سکتے ہو۔''

''یعنی میں خاصا معقول قسم کا لفنگا ہوں۔'' مجو نے کہا۔ ''لیکن تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ میں قتل کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔''

''بیس ہزار روپے کے زور پر فرض کیا ہے۔ میں نے۔ اور پھر میں تمہیں یہ ضمانت بھی دوں گا کہ تم گرفتار نہیں ہو گے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تمہیں پیسے کی پروا نہیں۔'' خوش لباس شخص کے لہجے میں حقارت در آئی۔ ''تم جیسے لوگوں کو ہر وقت پیسے کی ضرورت رہتی ہے۔ میرا خیال ہے، یہ رقم تمہیں سچ مچ کے جرائم کا ارتکاب کرنے سے روک سکتی

ہے۔“

”تو کیا تمہیں قتل کرنا جھوٹ موٹ کا جرم ہو گا؟“

مجو نے مضحکہ اڑایا۔

”یہ تم مجھ پر رحم کر رہے ہو۔“ خوش لباس شخص نے کہا‘ پھر پوچھا۔ ”شادی شدہ ہو؟“

”نہیں۔“

”بس تو مجھ پر احسان کرو‘ رحم کرو‘ رقم سمیٹو اور یہ شہر چھوڑ جاؤ۔ اس میں تمہارا کیا جاتا ہے؟“

”میں........ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“

”کہو تو میں مزید تفصیل سناؤں؟“

”ضرور۔“

”میں آئندہ جمعرات کو‘ اب سے ایک ہفتہ بعد تقریباً رات کو ساڑھے آٹھ بجے قتل ہونا چاہتا ہوں۔ قتل اس انداز میں ہو کہ ڈکیتی کی واردات محسوس ہو۔ آج بھی جمعرات ہے۔ جمعرات کو ہمارے ملازمین چھٹی پر ہوتے ہیں۔ اس روز میری بیوی........ ٹینس کلب کی ایک کمیٹی کی میٹنگ میں شریک ہو گی۔ کھڑکیاں کھلی ہوں گی۔ یہ کم بخت ملازم ہمیشہ انہیں بند کرنا بھول جاتے ہیں۔ کتا ہمارے ہاں ہے نہیں۔ میں لائبریری میں تمہارا منتظر ہوں گا۔ تجوری کھلی ہوئی ہو گی اور اس میں تمہارے حصے کے بیس ہزار روپے موجود ہوں گے۔ دستانے پہننا نہ بھولنا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم پکڑے جاؤ۔ پکڑے گئے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔“ خوش لباس شخص نے میز کی اوپر والی دراز کھولی اور .... سلسلہ کلام پھر جوڑا۔ ”اس میں میرا ریوالور موجود ہے۔ میرے ریوالور سے مجھے قتل کرنا زیادہ مناسب ہو گا۔ ریوالور چلانا آتا ہے تمہیں؟“

”ہاں........ آتا ہے۔“

”بس تو دل یا سر کا نشانہ لینا‘ اور خدا کے لیے نشانہ صحیح لینا۔ یہ نہ ہو کہ میں تڑپتا رہ جاؤں۔ پاسپورٹ ہے تمہارے پاس؟“

”نہیں۔“ مجو نے جھوٹ بولا۔

”تو ارجنٹ بنوا لو۔ یہ بہت ضروری ہے۔ پیر تک پاسپورٹ مجھے دے دو‘ میں سوئٹزر لینڈ کا ویزہ لگوا دوں گا۔ ویسے بھی یہ سیاحوں کا سیزن ہے‘ کوئی دشواری نہیں ہو

گی۔ مجھے قتل کر کے تم میری کار میں ایئرپورٹ جانا۔ فلائٹ کا ٹائم بارہ بجے کا ہے‘ تمہیں دس بجے تک وہاں پہنچنا ہو گا۔ تمہاری سیٹ ریزرو کروا دوں گا۔ بیس ہزار تمہیں فارن کرنسی کی صورت میں ملیں گے‘ وہاں جا کر عیش کرنا۔“

”بیس ہزار میں عیش کہاں ہو گا۔ کم از کم پچاس ہزار تو ہوں۔“ مجو نے پیر پھیلائے۔

”پچاس ہزار؟ قتل کا اتنا معاوضہ تو نہیں ہوتا‘ آج کل تو لوگ مفت میں بھی قتل کر دیتے ہیں۔“

”تم بھول رہے ہو کہ تم خود کو قتل کرانا چاہتے ہو........ اور وہ بھی بلا اذیت........ انسانی طریقے سے۔ چاہو تو کسی مفت کے قاتل کو پکڑ لو۔ آج کل تڑپا تڑپا کر قتل کرنے کا رواج ہے۔ میں بہرحال پچاس ہزار سے ایک پیسہ کم نہیں لوں گا۔“

خوش لباس شخص کی آنکھوں میں ایک لمحے کو نفرت سی چمکی۔ تاہم اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ پچاس ہزار سہی۔ مجھے منظور ہے۔ میں تمہیں گرفتاری سے بھی بچاؤں گا۔ بس تمہیں دستانوں اور پاسپورٹ کی اہمیت کا خیال رکھنا ہو گا۔ پستول میرا استعمال کرنا ہو گا۔ بولو........ مجھے قتل کرو گے؟“

”کیوں نہیں۔ بہ سرو چشم۔“ مجو نے جواب دیا۔

☆=======☆======☆

مجو نے دفتر کا نمبر ملایا۔ سارہ نے فون اٹھایا اور اس کی آواز پہچانتے ہی پوچھا۔ ”تم کہاں سے بول رہے ہو؟“

”ایک فون بوتھ سے۔“ مجو نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں آج آفس آرہا ہوں۔“

”کیوں؟“ سارہ نے اعتراض کیا۔

”بہت اہم معاملہ ہے۔“

”ساحل پر نشے بازوں کی بستی کے فیچر کا کیا ہوا؟“

”ابھی وہ مکمل نہیں ہوا ہے........“

”تو میں اس سلسلے میں کچھ سننا بھی نہیں چاہتی۔“

”میں سنانا بھی نہیں چاہتا۔“

”نجمی صاحب نے کہا تھا کہ فیچر آج شام تک پہنچ جانا چاہیے۔“

”نجمی کو جہنم میں جھونکو۔“

"دیکھو مظہر، تم اس پر طویل عرصے سے کام کر رہے ہو۔ فیچر اب سے بہت پہلے مکمل ہو جانا چاہیے تھا۔ آج نجمی صاحب بہت برہم تھے۔ وہ فوری طور پر فیچر طلب کر رہے ہیں۔"

"فیچر ابھی مکمل نہیں ہوا اور میں کام ادھورا چھوڑنے کا قائل نہیں ہوں۔ باقی گفتگو ملنے پر کرلیں گے۔ آج میں آفس آؤں گا۔"

"دوسری طرف تمہارے قرض خواہوں کے وکیل دفتر کے چکر لگا رہے ہیں عاجز کر رکھا ہے انہوں نے۔"

"تو نوبت وکیلوں تک پہنچ گئی۔ بہرحال تفصیلی گفتگو دفتر میں ہو گی۔"

"فیچر مکمل کیے بغیر یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

"میں نے ساحل والے دوستوں کو بتا دیا ہے کہ میں کام سے جا رہا ہوں۔ لہٰذا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کل رات تک واپس جاؤں گا۔"

"میں نے کہا نا کوئی ضرورت نہیں آنے کی۔ یہاں آنے سے حاصل بھی کچھ نہیں ہو گا اور اس چکر میں تم بے نقاب بھی ہو سکتے ہو۔"

"مجھے ہر حال میں آنا ہے۔ ایک اور معاملے میں تفتیش کرنا ہے۔"

"اور معاملہ کیسا؟ یہ فیچر مکمل کیے بغیر تمہیں کسی اور معاملے میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ خدا حافظ!" سارہ نے ریسیور پٹخ دیا۔

مجو بوتھ سے نکلا اور ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھا۔ اس نے اپنی اور خالد محمود کی گفتگو ڈائری میں لکھنا شروع کر دی۔ ایک اچھا صحافی ہونے کے ناتے وہ بہت اچھا منطقی تجزیہ کرنے کی اہلیت بھی رکھتا تھا۔ خالد محمود کے معاملے میں اسے چند باتیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ اول تو خالد محمود کی تجویز ہی غیر معمولی تھی۔ پھر خالد نے اسے منشیات کا عادی اور آوارہ گرد سمجھ کر گھیرا تھا۔ سب سے پہلے تو اسے اس بات کی تصدیق کرنا تھی کہ جو شخص اسے خالد محمود کے بنگلے میں لے گیا' وہ سچ مچ خالد محمود ہی تھا۔ دوسری بات یہ کہ وہ کینسر کا مریض کہیں سے لگ نہیں رہا تھا لیکن اس کی گفتگو قائل کر دینے والی تھی۔ تیس لاکھ کی رقم کا بیمہ بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔ خالد نے اپنے قتل کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ جزئیات تک نظر انداز نہیں کی تھیں۔ گویا وہ اس سلسلے میں عرصے سے غور کر رہا تھا۔

لیکن کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ مجو نے وہ سوالات مرتب کیے جن کے جواب اسے درکار تھے۔ کیا وہ شخص خالد محمود ہے؟ کیا وہ واقعی کینسر میں مبتلا ہے؟ کیا اس

کے پاس زندگی کے بیمے کی تیس لاکھ کی پالیسی ہے؟ کیا وہ واقعی قتل ہونا چاہتا ہے؟

ان سوالوں کے جواب کے حصول کے لیے اس کے پاس ایک ہفتے کی مہلت تھی اور تمام سوالوں کے جواب مل جاتے تو ایک تہلکہ خیز کہانی سامنے آنے کا واضح امکان موجود تھا۔

دفتر پہنچتے ہی مظہر عرف مجو نے اپنے پرانے اخبارات کی فائل نکالی۔ خالد محمود کی تصویر پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ جو شخص اسے خالد محمود کے بنگلے پر لے گیا تھا وہ خود خالد محمود تھا۔ پھر اس نے کاروباری صفحے کے انچارج کا نمبر ملایا۔ "ہیلو ظہیر........ میں مظہر بول رہا ہوں۔"

"مجو! خوب بول رہے ہو۔ بولتے رہو۔ اچھے لگتے ہو۔"

"سیریس ہو جاؤ یار مجھے تم سے کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"ہو گیا سیریس۔ کرو معلوم۔"

"میں خالد محمود کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"خالد محمود نے نیشنل ایوی ایشن سے شادی کی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کی بیوی نیشنل ایوی ایشن کے بورڈ کے صدر اور چیئرمین کی اکلوتی بیٹی ہے۔"

"جاب سکیورٹی؟"

"خوش قسمتی' جو تمہارے قدم بھی چوم سکتی ہے۔"

"ناممکن۔ ہمارے باس نجمی کی کوئی بیٹی نہیں ہے' بیٹے ہی بیٹے ہیں اور سب اُلو کے پٹھے۔"

"خالد محمود نیشنل ایوی ایشن کا ایگزیکٹو وائس پریزیڈنٹ ہے۔"

"دھاکے کر رہے ہو۔"

"عمر کی کمی کی وجہ سے رکا ہوا ہے' دو چار سال بعد وہ کمپنی کا صدر ہو جائے گا۔"

"یعنی اس کا مستقبل بیڈ میڈ ہے۔"

"یہ بات نہیں۔ اس کی اہلیت میں کوئی کلام نہیں۔" ظہیر سنجیدہ ہو گیا۔ "اس نے انجینئرنگ کی ڈگری لی ہے۔ ایوی ایشن کی فیلڈ میں ملک بھر میں اس کا کوئی ہم پلہ نہیں ملے گا۔ ویسے بھی وہ بہت اچھا اور نفیس انسان ہے۔"

"اور نیشنل ایوی ایشن کی کاروباری پوزیشن کیسی ہے؟"

"ظاہر ہے، مسابقت ہے ہی نہیں۔ کمپنی مارکیٹ پر چھائی ہوئی ہے۔ اس کے بنائے ہوئے پرزوں کی بیرون ملک بہت اچھی ساکھ ہے۔ برآمد بھی کرتے ہیں وہ۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اب کاروبار خالد چلا رہا ہے۔ اس کے سسر مختار جعفری اب صرف ٹینس کلب میں دلچسپی لیتے ہیں۔ انہیں ریٹائرڈ ہی سمجھو۔ کمپنی کے شیئر اسٹاک مارکیٹ میں نہیں ہوتے۔ بیشتر مختار جعفری کے پاس ہیں۔ باقی ان کے دوستوں اور رشتے داروں کے پاس ہیں۔ مزید معلومات درکار ہوں تو دو گھنٹے بعد فون کرنا۔"

"رائٹ۔ میں اس فیملی اور کمپنی کے بارے میں ہر بات جاننا چاہتا ہوں۔ دو گھنٹے بعد ملاقات ہوگی۔ تھینک یو۔" مظہر نے کہا، اور ریسیور رکھ دیا۔

وہ ریسیور رکھ کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص اس کے کمرے میں چلا آیا۔ "مظہر صاحب، میرا نام غفار ہے۔ میں وکیل ہوں........"

"کس کی وکالت کر رہے ہیں آپ؟"

"آپ خوب جانتے ہیں۔ میں اس رستم خان کا وکیل ہوں، جس سے آپ نے قرض........"

"رستم خاں واحد سود خور تو نہیں، جس سے میں نے قرض لیا ہے۔" مظہر نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"خیر........ مجھے اس سے غرض نہیں۔ مجھے تو آپ سے رقم وصول کرنی ہے۔ ویسے آپ یقیناً باکمال آدمی ہوں گے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کسی سود خور نے قرض وصول کرنے کے لیے میری خدمات حاصل کیں۔ ورنہ وہ لوگ تو خود وصول کرنے کے ایکسپرٹ ہوتے ہیں۔"

"اور اس کے باوجود آپ اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ آپ کو مجھ سے رقم وصول کرنی ہے۔ خیر........ آپ وکیل ہیں۔ وکیل کی حیثیت سے مجھے ایک مشورہ دیں۔"

"سوری! میں اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی میں آپ کا کیس لینا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔"

"یہ نہ بھولیں کہ آپ میرے آفس میں مجھے ڈسٹرب کر رہے ہیں۔ میں آپ کو باہر بھی پھینکوا سکتا ہوں۔ اتنے بڑے وکیل ہو کر قرض وصول کرتے پھر رہے ہو۔ آپ کو شرم نہیں آتی؟"

وکیل بے حد ڈھیٹ تھا، بولا۔ "بے کار مباش کچھ کیا کر کے مصداق سب کچھ کرنا

پڑتا ہے۔ اب کام کی بات کیجئے۔ میں دس دن سے آپ کی تلاش میں خوار ہو رہا ہوں۔ آپ کے آفس والوں نے بتایا نہیں کہ آپ کہاں ہیں۔ اب یہ بتائیں کہ ادائیگی کر رہے ہیں یا نہیں؟ ورنہ میں آپ کو عدالت میں بلواؤں گا اور آپ کو آنا پڑے گا۔"

مظہر نے دراز کھول کر وہ چیک بک نکالی جو گزشتہ ہفتے ہی ساحل پر پڑی ملی تھی۔ پھر اس نے قلم کھولتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو دس دن بعد کا چیک دے سکتا ہوں۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں۔"

"ٹھیک ہے، اب رقم بتائیے۔"

"تین ہزار چار سو انتیس روپے۔"

مظہر نے چیک لکھا، رائٹنگ بدل کر اس پر دستخط کیے اور وکیل کی طرف بڑھا دیا۔

وکیل کے جانے کے بعد اس نے ڈائریکٹری میں سے نیشنل ایوی ایشن کا نمبر نکال کر ملایا۔ رابطہ ملنے کے بعد اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "خالد صاحب کی سیکرٹری سے بات کرائیے۔"

"ہولڈ کیجئے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ چند لمحے بعد آواز آئی۔ "فرمائیے؟"

"میں ڈیلی نیوز کے دفتر سے بول رہا ہوں۔ جعفر میرا نام ہے ایک فیچر کے سلسلے میں آپ کی مدد درکار ہے۔"

"فرمائیے........ فرمائیے۔"

"ہم شہر کے بڑے لوگوں کے پرائیویٹ ڈاکٹروں کے بارے میں ایک فیچر شائع کر رہے ہیں۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ خالد محمود صاحب کا ریگولر ڈاکٹر کون ہے۔"

"میرا خیال ہے، مسٹر خالد یہ پسند نہیں کریں گے۔" سیکرٹری نے جواب دیا۔

"وہ موجود ہیں؟" مظہر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تو ان سے پوچھ لیں۔ اور انہیں بتا دیں کہ بے چارے ڈاکٹر آپ اپنی پبلسٹی نہیں کر سکتے۔"

"میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔" سیکرٹری نے ہنستے ہوئے کہا۔ چند لمحے بعد اس نے کہا۔ "مسٹر خالد کو آپ کی دلیل سن کر ہنسی آگئی۔ نوٹ کیجئے، ڈاکٹر صفدر عباس ان کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔"

"شکریہ۔" مظہر نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد اس نے ڈاکٹر صفدر عباس کا نمبر ملایا۔ "ہیلو........ میں پایونیئر لائف انشورنس سے بول رہا ہوں۔ مجھے ڈاکٹر صفدر سے بات کرنا ہے۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ڈاکٹر صفدر مصروف ہیں۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "کوئی پیغام ہو تو دے دیں۔"

"مجھے ان سے ضروری بات کرنا ہے۔" مظہر نے اصرار کیا۔ "معاملہ خالد محمود صاحب کی پالیسی سے متعلق ہے۔"

"ہولڈ کیجئے۔ میں کوشش کروں گی کہ آپ کی بات ہو جائے۔" ریسپشنسٹ بولی۔

چند لمحے بعد ریسیور پر ایک مردانہ آواز ابھری۔ "جی........ فرمائیے؟"

"ڈاکٹر صاحب! میں پایونیئر انشورنس سے بول رہا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ خالد محمود صاحب نے ہم سے تیس لاکھ کی پالیسی لی ہے۔"

"جی........ مجھے معلوم ہے۔"

"اور آپ خالد محمود کے ڈاکٹر ہیں؟"

"جی ہاں' کہنے کی حد تک یہ درست ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں جعفری کا فیملی ڈاکٹر ہوں۔ مختار جعفری اور میں کلاس فیلو رہے تھے۔ دوسری طرف خالد' جعفری کا داماد ہے۔ اس لحاظ سے میں اس کا ڈاکٹر بھی ہوا۔"

"آپ خالد صاحب کو کب سے جانتے ہیں؟"

"جب سے اس نے صفیہ سے شادی کی ہے۔ چھ سال ہو گئے ہوں گے۔"

"بڑی پالیسیوں کے بارے میں ہم چھان بین ضرور کرتے ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اتنی بڑی رقم کا بیمہ کیوں کرایا گیا؟"

"یہ جعفری کا آئیڈیا ہے۔ دراصل خالد کو جہاز اڑانے کا بہت شوق ہے۔ وہ کوئی آزمائشی پرواز نہیں چھوڑتا۔ ہر اڑنے والی چیز کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔"

"اگر خالد صاحب کو کچھ ہو جائے تو جعفری فیملی کو تیس لاکھ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے' اس صورت میں کمپنی کے اسٹاک کی قیمت گرے گی اور بیشتر اسٹاک جعفری فیملی کے پاس ہے۔ اس وقت کمپنی خالد ہی کے دم سے ہے۔ میں سمجھتا

ہوں' جعفری فیملی کے لیے یہ ناقابل تلافی نقصان ہو گا لیکن میرا خیال ہے' اتنی بھاری پالیسی لینے کی یہ وجہ نہیں۔"

"تو اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"سونیا کی پیدائش کے بعد سے جعفری' خالد کو جہاز اڑانے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر چکا ہے' اس کا خیال تھا کہ اتنے زیادہ پریمیم کی ادائیگی خالد کو ہوا بازی ترک کرنے پر مجبور کر دے گی۔ کیوں کہ پریمیم خالد ہی کو ادا کرنا ہوتا ہے۔"

"یہ سونیا کون ہے؟"

"جعفری کی نواسی........ خالد کی بیٹی۔"

"خالد صاحب اب بھی جہاز اڑاتے ہیں؟"

"ہاں۔ اور آئے دن اس کے بال بال بچنے کی خبریں آتی رہتی ہیں۔"

"آپ نے آخری بار خالد صاحب کا طبی معائنہ کب کیا تھا؟"

"اسے آپ لوگوں کی تحویل میں دینے سے پہلے کی بات ہے۔ آپ لوگ تو ہر چھ ماہ بعد اس کا طبی معائنہ کراتے ہی ہیں۔ اب کوئی شخص ہر روز طبی معائنہ کرانے سے تو رہا۔"

"گویا آپ نے انہیں عرصے سے نہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ ٹینس کلب میں اور دعوتوں میں ملاقات ہوتی رہتی ہے۔"

"آپ کے خیال میں بظاہر ان کی صحت کیسی ہے؟"

"معائنے کے بغیر کیا کہہ سکتا ہوں۔ ویسے وہ مکمل طور پر صحت مند دکھائی دیتا ہے۔ وہ نہ زیادہ تمباکو نوشی کرتا ہے' نہ زیادہ پیتا ہے۔ اپنی عمر سے کم دکھائی دیتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ وہ کسی اور ڈاکٹر سے علاج کراتے ہوں یا مشورہ لیتے ہوں؟"

"ممکن ہے۔ ویسے میں نے اسے کبھی کسی اسپیشلسٹ کو ریفر نہیں کیا' اور اسے طبی مشورے کی ضرورت ہو گی تو وہ پہلے میرے پاس آئے گا۔"

"شکریہ ڈاکٹر! میں نے آپ کا بہت وقت لیا' میں معذرت خواہ ہوں۔"

"اس انکوائری کا سبب بھی بتا دیجئے۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔ بھاری رقوم کی پالیسی کے بارے میں یہ معمول کی انویسٹی گیشن تھی۔ ایک بار پھر شکریہ ڈاکٹر۔" مظہر نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ اب تک کی تحقیق کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر سے اسے ایک کام کی بات معلوم ہوئی تھی۔

خالد کی موت کی صورت میں نیشنل ایوی ایشن کی کاروباری موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف ڈاکٹر نے اس بات سے لاعلمی ظاہر کی تھی کہ خالد کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ڈاکٹر کے علم میں یہ بات ہو اور اس نے دانستہ چھپائی ہو۔ مظہر کو یقین تھا کہ ڈاکٹر بھی نیشنل ایوی ایشن کا اسٹاک ہولڈر ہے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ کمپنی کی بہتری چاہتا تھا۔ جب کہ خالد کی بیماری کی خبر عام ہوتی تو کمپنی کا بھٹا بھی بیٹھ سکتا تھا۔

خالد محمود کینسر کا مریض ہے' اس کی نہ تصدیق ہو سکی تھی' نہ تردید.........

مظہر نے پھر خالد محمود کی نیوز فائل کھولی اور مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ خالد اور صفیہ جعفری کی شادی ہوئی تو اس وقت خالد نیشنل ایوی ایشن میں اسسٹنٹ وائس پریزیڈنٹ کے عہدے پر فائز تھا۔ شادی میں خالد محمود کے والدین شریک نہیں ہوئے تھے۔ شادی کے بعد خالد کو ایگزیکٹو وائس پریزیڈنٹ بنا دیا گیا۔ اس کے بعد کمپنی کی ساکھ دیکھتے ہی دیکھتے کہیں کی کہیں پہنچ گئی۔ اسے بین الاقوامی سطح پر پہچانا جانے لگا۔ خالد ٹینس کلب کی ایگزیکٹو کمیٹی کا ممبر بھی تھا۔ وہ ٹینس اور اسکواش باقاعدگی سے کھیلتا تھا لیکن کلب کے سالانہ ٹورنامنٹ میں کبھی فائنل تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سارہ جمیل تھی......... سوسائٹی پیج کی ایڈیٹر۔ "مجھے تم سے بات کرنا ہے' کیفے ٹیریا میں آجاؤ' لنچ میرے ساتھ کرنا۔" سارہ نے کہا۔

☆======☆======☆

سارہ نے لنچ کا آرڈر دیا۔ بیرے کے جاتے ہی مظہر نے سارہ سے پوچھا۔ "ایک بات بتاؤ' تم تو خوب جانتی ہوگی۔ ہمارے چیف ایڈیٹر نجمی صاحب اپنی نجی زندگی میں کیسے ہیں؟ تم تو ہر روز انہیں "بہت قریب" سے دیکھتی ہو۔" اس نے بہت قریب پر معنی خیز انداز میں زور دیا تھا۔

"مظہر' ایک بات بتاؤ۔ تم مجھے ناپسند کیوں کرتے ہو؟" سارہ نے پوچھا۔

"کیوں کہ تم جو کچھ کرتی ہو' اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ تمہارے پاس جرنلزم کی ڈگری ہے لیکن تمہیں جرنلزم کی اسپیلنگ بھی نہیں آتی ہو گی۔"

"میں تم سے سینئر ہوں۔"

"تم خبروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ تم صرف کھانا پکانے کی ترکیبیں لکھ

سکتی ہو۔ اس کام کے میکنیزم سے تمہیں ذرا بھی واقفیت نہیں۔"

"میرا خیال ہے' تم مجھ سے صرف اس لیے چڑتے ہو کہ میں عورت ہوں۔" سارہ نے بچوں کے سے انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ عورتوں پر میں جان چھڑکتا ہوں۔ مجھے نجمی سے تمہارے تعلقات پر بھی اعتراض نہیں لیکن صرف ان تعلقات کی بنیاد پر تمہیں ایڈیٹر کا عہدہ مل جائے' اس پر مجھے اعتراض ہے۔ تم اس عہدے کے لیے نااہل ہو۔ تم میں ایڈیٹری کی صلاحیت ہی نہیں۔ تم نجمی کے ساتھ جس طرح کا تعلق چاہو' رکھو لیکن اس تعلق کی بنیاد پر ایڈیٹر کا عہدہ تمہیں قبول نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ صریحاً بے ایمانی اور بددیانتی ہے۔"

سارہ کے رخسار تمتما اٹھے۔ "تم بدتمیز اور منہ پھٹ آدمی ہو۔" وہ نوالہ پلیٹ میں رکھتے ہوئے غرائی۔ "مجھے اصول پڑھا رہے ہو۔ میں جانتی ہوں' وہاں ساحل پر تم کس طرح عیاشی کر رہے ہو گے۔ تم نے کسی لڑکی کو بھی نہیں بخشا ہو گا۔"

"وہ اور بات ہے۔ کام کے سلسلے میں......... فیچر کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"میرے اور نجمی کے تعلق سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ تم گندے آدمی ہو دوستی کو کیا کیا معنی پہناتے ہو۔"

"میں کوئی سروکار رکھنا بھی نہیں چاہتا۔ بشرطیکہ تم میرا پیچھا چھوڑ دو......... میرے مضامین پر رحم کرو۔ تم نے میرے لکھے ہوئے طلاق کے موضوع پر مضمون کی ایڈیٹنگ کر کے اس کا بیڑا غرق کر دیا۔ مجھے منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تم نے۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اس میں تبدیلیاں کرنا ضروری تھیں اور تم نشے بازوں کے فیچر کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ میں مجبور تھی تم سے مشورہ بھی نہیں لے سکتی تھی۔"

"تم نے اس مضمون کو غیر متوازن کر کے تباہ کر ڈالا۔ تم نے میری ساکھ کو بھی خطرے میں ڈالا۔ جانتی ہو اس خرافات پر کوئی بھی کیس دائر کر سکتا تھا ہم پر' وہ شرعی معاملہ تھا۔ لوگ ایسے معاملات میں بے حد جذباتی ہوتے ہیں۔ تم نے مجھے جاہل اور نااہل الگ ثابت کیا۔"

"میں نے تم سے رابطے کی بہت کوشش کی تھی........."

"بس تم میرا اور میرے مضامین کا پیچھا چھوڑ دو۔ تمہیں آتا جاتا کچھ نہیں' چلی ہو

ایڈیٹری کرنے۔"

"دیکھو مجو.......... ہمیں ایک ٹیم کی طرح کام کرنا ہے.......... مل کر۔"

"صرف اس وقت تک جب تک تم مجھے نکالنے کی طاقت حاصل نہیں کر لیتیں۔ نہ بابا' میں بھر پایا۔"

"ممکن ہے' تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب مجھے نشے بازوں کے فیچر کے متعلق بتاؤ۔ کیا پروگریس ہے؟"

"ساحل پر منشیات فروشی ہو رہی ہے۔ اب تو نشے بازوں کی اچھی خاصی بستی بس گئی ہے وہاں۔ اکثریت نوجوان لڑکوں کی ہے۔ چند ایک لڑکیاں بھی ہیں۔ معاشرے سے ناتا توڑ کر انھوں نے اپنی الگ دنیا بسالی ہے۔ ان میں ایک لڑکی ہے رینا۔ میں نے اس لڑکی کی کہانی سنی۔ وہ ہیروئن کی لت اور ایک چالیس سالہ شخص کی محبت میں بہ یک وقت مبتلا ہوئی تھی۔ گھر سے زیور لے کر بھاگی۔ زیور ختم ہوئے تو ہیروئن اور محبت دونوں کے لالے پڑ گئے۔ اس کا عاشق اسے ساحل پر چھوڑ بھاگا۔ اس وقت سے رینا وہیں ہے۔ ساحل پر شوقین مزاج لوگ بھی آتے ہیں۔ ان سے جو کچھ لیتی ہے' اس کی ہیروئن خرید لیتی ہے اور جانتی ہو' اس کی عمر پندرہ سال ہے.........."

"اور تم.........؟" سارہ کے لہجے میں معنویت تھی۔

"وہ میری جھونپڑی ہی میں رہتی ہے۔" مظہر نے سادگی سے کہا۔

"اس کے باوجود تم مجھے اخلاقیات پر لیکچر دیتے ہو۔ غضب خدا کا' پندرہ سال کی.........!"

"میں نے کہا نا' فیچر کے لیے میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔ مجھے ان میں رہنا ہے تو ان جیسا بن کر ہی رہنا ہے۔ میں انہیں خود پر شک کرنے کا کوئی موقع نہیں دے سکتا۔ کبھی کبھی مجھے ہیروئن پینا پڑتی ہے اور جہاں تک عمر کا تعلق ہے' تم رینا کے سامنے طفل مکتب بھی بہ مشکل ثابت ہو گی۔"

سارہ کے رخسار تمتما اٹھے۔ "شٹ اپ۔ آگے بڑھو' پولیس اس سلسلے میں کیا کر رہی ہے؟"

"پولیس اکثر آتی ہے۔ وہ لوگ ہر بار ایک ہی لڑکے کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اس کا تعلق خیابان سے ہے۔ اور اس کا باپ خیابان کے سب سے اچھے اور مہنگے سکول کا پرنسپل ہے۔ دوسروں کی انہیں کوئی پروا نہیں۔ لڑکے کا نام نوید ہے۔ وہ پٹ

پٹا کر ہر بار واپس آ جاتا ہے۔"

"ساحل پر یہ جھمگٹا بالکل نئی چیز ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟"

"انہیں ہیروئن بہ آسانی مل جاتی ہے۔"

"کون بیچتا ہے۔ ہیروئن؟"

"پینتیس سالہ بڈھا مستان' مہربان آنکھوں والا' چرخ مستان۔ لڑکے اسے موٹا مستان کہتے ہیں۔"

"تمہیں اتنا کچھ معلوم ہے.......... اور تم کہتے ہو' ابھی فیچر مکمل نہیں ہوا۔"

"مجھے یہ علم نہیں ہو سکا ہے کہ مستان کو سپلائی کہاں سے ملتی ہے۔ اس کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ ہو گا۔ وہ کبھی ساحل سے کہیں جاتا بھی نہیں۔ میں بار بار اس کا پیچھا کر چکا ہوں۔ وہ مال اپنی جھونپڑی میں رکھتا ہے۔ میں نے اسے صرف ہیروئن فروخت کرتے دیکھا ہے' خریدتے نہیں دیکھا۔ اچانک خبر اڑتی ہے کہ مستان کے پاس مال ختم ہو رہا ہے ایسے ایک موقع پر میں نے مسلسل چھتیس گھنٹے اس کی نگرانی کی مستان ایک بار بھی ساحل سے دور نہیں گیا۔ میں نے کسی شخص کو مستان کے یا اس کی جھونپڑی کے قریب جاتے نہیں دیکھا۔ اس کے باوجود چھتیس گھنٹے بعد اس کے پاس ہیروئن وافر مقدار میں موجود تھی۔ یہ چکر میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"تمہاری نظر چوک گئی ہو گی۔" سارہ نے کہا۔ "تمہیں اس فیچر پر کام کرتے دو ہفتے ہو چکے ہیں۔"

"اتنے بڑے کام کے لیے دو ہفتے کا عرصہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

"میرا خیال ہے' اتنی معلومات بھی بہت ہیں۔ فیچر لکھا جا سکتا ہے۔ مستان کا اڈا ختم ہو جائے گا۔"

"مستان کی اوقات ہی کیا ہے۔ وہ نہیں ہو گا تو اڈا کوئی اور سنبھال لے گا۔" مظہر نے منہ بنا کر کہا۔ "تم صحافی ہوتیں تو یہ بات تمہاری سمجھ میں بہ آسانی آ جاتی کہ جب تک مستان کا ذریعہ سامنے نہیں آتا فیچر مکمل نہیں ہو گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ یہ سلسلہ تو قیامت تک نہیں رکے گا۔ پھر تم ذریعے کا ذریعہ اور اس کا ذریعہ ڈھونڈو گے اور کچھ عجب نہیں کہ سرحد بھی پار کر جاؤ۔"

"یہ عین ممکن ہے۔" مظہر نے بے پروائی سے کہا۔

"تمہارے پاس مستان کی تصویریں ہیں.......... ہیروئن فروخت کرتے ہوئے؟"

"ہاں.........ہیں۔"

"بس تو پھر فیچر شائع کرا دو۔"

"یہ ناممکن ہے، فیچر مکمل ہو گا تو تمہیں ملے گا۔ ایک منشیات فروش کو صرف بارہ گھنٹے کے لیے حوالات بھیجنا میرے نزدیک مثبت صحافت نہیں۔"

"نجمی صاحب بہت پریشان ہیں۔"

"اور اس کی پریشانی کو دور کرنا تمہارا فرض ہے۔ تم اس کی پریشانی دور کرنے کے ہنر سے خوب واقف بھی ہو۔"

"میں تم پر حکم عدولی کا الزام عائد کر رہی ہوں۔ تم اپنے انچارج کا کہنا نہیں مانتے۔ میں نے تم سے کہا کہ ساحل نہ چھوڑنا، فیچر مکمل کیے بغیر نہ آنا۔ میں نہیں چاہتی کہ ذرا سی بے احتیاطی سے تم مشکوک قرار پاؤ۔ کچھ عجیب نہیں کہ اس وقت تک مستان کو سپلائی کرنے والا ہوشیار ہو چکا ہو لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ اس طرح تم جان سے بھی جا سکتے ہو۔"

"ممکن ہے، لیکن اس سے پہلے میرا فیچر مکمل ہو چکا ہو گا۔"

"میرے خیال میں اب تمہارا ساحل پر واپس جانا مخدوش ہو گا۔"

"دراصل مخدوش تمہارا سوچنے کا عمل ہے۔ تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ سوچو، دماغ پر زور دو۔ ناموجود چیز پر کیا زور دینا۔"

"اب تم وہاں محفوظ نہیں ہو گے۔"

"میرے ساتھ چلو اور خود دیکھ لو۔"

"شکریہ۔ میں باز آئی۔ ویسے میں خیابان تھانے کے انچارج سے ضرور بات کروں گی اس سلسلے میں۔"

مظہر نے چائے کی پیالی خالی کر کے ایک طرف رکھی اور حیرت سے سارہ کو دیکھا۔

"ایسا کر کے دیکھو۔ مجھ سے پہلے تم کو مرنا ہو گا۔ یقین کرو، میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

"تم ہماری ذمے داری ہو مجو۔" سارہ نے بے حد خلوص سے کہا۔

"تو پھر غیر ذمے داری کا مظاہرہ نہ کرو۔ یہ سلوک کبھی کسی کے ساتھ نہ کرنا۔ اس طرح فیچر اور کہانیاں برباد نہیں کی جاتیں۔ میرے خدا! کاش مجھے تم سے نجات مل جاتی۔ تم اتنی بے وقوف کیوں ہو؟"

"اچھا، اب چپ ہو جاؤ۔ لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

"مجھے کوئی پروا نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پولیس سے بات نہیں کروں گی لیکن........."

"صرف پولیس سے نہیں، اس سلسلے میں کسی سے بھی بات نہ کرنا۔ مدد کی ضرورت ہو گی تو میں خود طلب کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے، اب جرنلسٹ ایوارڈ کی بات کرو۔ ایسوسی ایشن کی طرف سے اس سلسلے میں لیٹر آیا ہے۔"

"کیسا ایوارڈ؟"

"بیسٹ جرنلسٹ آف دی ایئر کا ایوارڈ۔ تقریب آئندہ جمعے کو ہے۔ تمہیں اس میں شریک ہونا ہے۔"

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ایوارڈ سے۔ میں نان جرنلسٹ نہیں کہ ایوارڈ کے پیچھے بھاگوں۔"

"تمہیں ایوارڈ وصول کرنا ہو گا۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟"

"تم ہمارے اسٹار رائٹر ہو۔ لہٰذا ایوارڈ تمہارا ذاتی معاملہ ہرگز نہیں۔ ہفتے کے اخبار میں تقریب کی تفصیل تمہاری تصاویر کے ساتھ چھپے گی۔ تمہارے صحافتی کارناموں کی تفصیل علیحدہ شائع ہو گی۔ صرف یہی نہیں، جمعرات کی شام تک تم اپنا فیچر بھی لازمی طور پر مکمل کر کے پہنچا دینا۔ ہفتے کی اشاعت میں ہم وہ فیچر بھی شامل کریں گے۔ اسی طرح تم ایوارڈ کے حق دار بھی ثابت ہو گے اور یہ ہاٹ نیوز بھی ہو گی۔"

"یہ سب کچھ ناممکن ہے۔"

"نجمی فیصلہ کر چکا ہے۔ پبلشر سے منظوری بھی لے لی گئی ہے۔ اگر اس پر عمل نہ ہوا تو کسی اور اخبار میں جاب ڈھونڈ لینا۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے کون نکالے گا؟ قارئین کا بہت بڑا حلقہ میرے فیچرز کی وجہ سے تمہارا اخبار پڑھتا ہے۔"

"پرانی بات ہوئی۔" سارہ نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی ایڈیٹنگ کے ذریعے تمہاری ساکھ تباہ کر دی ہے۔ اب لوگ تمہیں نکالنے کا مطالبہ کرنے لگے ہیں۔"

مظہر اٹھ کھڑا ہوا۔ واپسی سے پہلے اس نے سارہ کو خدا حافظ بھی نہیں کہا تھا۔

واپسی سے پہلے وہ فنانشل سیکشن کے انچارج ظہیر کے پاس گیا۔ ”کہو.......... خالد محمود کے سلسلے میں کیا ہو رہا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہم جھوٹا وعدہ نہیں کرتے۔“ ظہیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھو.......... میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے رائٹنگ پیڈ اپنے سامنے گھسیٹ لیا۔ ”صفیہ اور خالد نے حال ہی میں اپنی کمپنی کے اسٹاک میں سے تیس لاکھ کے شیئرز کیش کرائے ہیں۔“

”تیس لاکھ! اور کیش کرائے ہیں کیا مطلب ہوا؟ مارکیٹ میں بیچے ہیں؟“

”نہیں۔ انہوں نے وہ شیئرز مختار جعفری کو فروخت کیے ہیں۔ یہ لوگ گھر کا مال گھر میں رکھنے کے قائل ہیں۔“ ظہیر نے جواب دیا۔ ”خالد اپنے سسر کے سایہ عاطفت سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر کچھ کرنا چاہتا ہے۔“

”یہ خالد کا آئیڈیا ہے؟“

”نہیں۔ میرا دوست ناظم، جعفری فیملی کے ذاتی امور اور کاروباری لین دین میں درمیان کے آدمی کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ صفیہ کا آئیڈیا ہے۔“

”اتنی بڑی رقم کا وہ کریں گے کیا؟“

”زرعی زمین خریدنا چاہتے ہیں۔ فارمنگ بھی کریں گے اور کاشتکاری بھی۔“

”تو زمین اتنی مہنگی ملتی ہے!؟“

”بڑے لوگوں کی سینکڑوں ایکڑ سے کم میں تو تسلی بھی نہیں ہوتی۔ پھر قیمتیں بھی چڑھی ہوئی ہیں۔ افراط زر کی اصطلاح سمجھتے ہو؟“

”ہاں۔ پندرہ سال پہلے آٹا ساڑھے چار روپے کلو تھا اب گیارہ روپے کلو ہے۔ یہ بتاؤ، تمہارے دوست ناظم نے خالد کی صحت کے بارے میں بھی کچھ بتایا؟“

”نہیں۔ البتہ وہ بتاتا ہے کہ خالد اسکواش کا بہت اچھا کھلاڑی ہے اور اسکواش جسمانی فٹنس کا کھیل ہے۔ میں نے ایک بار اسکواش کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ صرف چار منٹ میں میرے ہانپڑے پھول گئے تھے۔“

”اگر یہ خبر پھیل جائے کہ خالد کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے تو کیا نیشنل ایوی ایشن کے اسٹاک کی ویلیو کم ہو جائے گی؟“ مظہر نے پوچھا۔

”یقیناً کم ہو گی۔ میرا خیال ہے، اسٹاک مارکیٹ میں بھی آجائے گا۔“

”یعنی خالد اگر بیمار ہو تو اسے راز رکھا جائے گا؟“

یقیناً۔“ ظہیر نے جواب دیا۔ پھر چونک کر پوچھا۔ ”کیا خالد کسی مہلک بیماری کا شکار

ہو رہا ہے؟“

”مجھے کیا پتا؟“

”بہرکیف، خالد محمود ایک قابل اور اچھا انسان ہے، جس نے اتفاق سے باس کی اکلوتی بیٹی سے شادی کر لی، اب تم کھسکو یہاں سے.......... اور مجھے کام کرنے دو۔“

وہاں سے اٹھ کر مظہر اپنے اخبار کے کالم نویس کامران کے گھر گیا۔ کامران کا موضوع سوشل لائف تھا۔ شہر کے اہم لوگوں کے متعلق اس کی معلومات قابل رشک تھیں۔ اس نے مظہر کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور بولا۔ ”میں جانتا ہوں، تم مطلب سے آئے ہو گے۔ میں ایک تقریب میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں۔ جو کچھ پوچھنا ہے، جلدی سے پوچھ لو۔“

”میں خالد محمود کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“ مظہر نے برا مانے بغیر کہا۔

”خالد محمود جس نے نیشنل ایوی ایشن نامی کمپنی سے شادی کی ہے۔ کمپنی جہازوں کے پرزے، نشستیں اور دیگر سامان تیار کرتی ہے۔“

”ایسی سیدھی سیدھی بات؟“

”خیر.......... صفیہ سے کسی نہ کسی کو تو شادی کرنا تھی۔ وہ بے حد پُرکشش عورت ہے لیکن میاں بیوی دونوں 'بور' ہونے کی حد تک سیریس ہیں۔ کم گو ہیں۔ کچھ پوچھا جائے تو جواب دے دیتے ہیں، ورنہ چپ۔ صفیہ اپنے باپ سے بہت ہی محبت کرتی ہے۔ بیشتر تقریبات میں باپ بیٹی ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔ خالد محمود نیشنل ایوی ایشن میں الجھا رہتا ہے۔ کبھی موقع ملتا ہے تو وہ بھی کسی تقریب میں شریک ہو جاتا ہے۔ پچھلے کچھ عرصے سے صفیہ بھی سمٹ رہی ہے۔ اب وہ تقریبات میں کم ہی شریک ہوتی ہے۔“

مظہر چونکا۔ ”اس کی کوئی وجہ بھی ہو گی؟“

”کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے، اسے اپنی بیٹی سونیا کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہو۔ ممکن ہے، وہ پھر ماں بننے والی ہو۔ ممکن ہے، اپنے شوہر کی طرف سے فکر مند ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سوشل زندگی کی یکسانیت سے اکتا چکی ہو۔“

”تم نے کہا، ممکن ہے شوہر کی طرف سے فکر مند ہو۔ اس سے تمہاری کیا مراد تھی؟“

”بھئی.......... سادہ سی بات ہے۔ اس کا شوہر اتنی کم عمری میں اتنا بڑا کاروبار سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ بہت بھاری ذمے داری ہے۔ اس کے لیے اسے سخت محنت کرنا

پڑتی ہو گی۔ دیر تک کام کرنا ہوتا ہو گا۔ ایسے لوگ اکثر بیویوں کے ساتھ چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی ہر.......... پریشانی میں بیوی کو شریک کرتے ہیں۔ ان کی بیویوں کو ان کی ہر پریشانی کا علم ہوتا ہے.........."

"بیماری کا بھی؟"

"کیسی بیماری! مجھے تو خالد مکمل صحت کا ماڈل معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ خالد بیمار ہو اور اس بیماری کی وجہ سے صفیہ کی سوشل لائف متاثر ہوئی ہو۔" مظہر نے خیال آرائی کی۔

"ہاں، ممکن تو ہے لیکن کیا یہ درست ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"ہاں، اندازے لگائے جا سکتے ہیں۔ ممکن ہے، صفیہ خالد سے محبت کرتی ہو۔ اس صورت میں وہ خالد کی ہوا بازی سے یقیناً خوف زدہ ہو گی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کامران، صفیہ اور خالد ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے؟"

"جب تک اس کے برعکس ثابت نہ ہو، میں یہی فرض کرتا ہوں اور پھر وہ ایک دوسرے سے محبت کیوں نہیں کر سکتے۔"

"اس لیے کہ صفیہ اپنے باپ سے بہت قریب ہے۔ وہ اسے بہت چاہتی ہے اور میرا خیال ہے، مختار جعفری نے خالد کو صفیہ کے لیے منتخب کیا ہو گا۔ تم خود کہہ رہے تھے کہ خالد نے نیشنل ایوی ایشن سے شادی کی ہے۔ ہر شخص یہی کہتا ہے۔"

"دیکھو مجو، میں نے سوسائٹی رائٹر کی حیثیت سے ایک عمر گزاری ہے۔ میں نے ان [illegible]وں کو ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوتے دیکھا ہے جن کے درمیان محبت کا کوئی [illegible]ن بھی نہیں ہوتا۔ میں نے محبت کی شادیوں کو ناکام ہوتے بھی دیکھا ہے اور کاروباری [illegible]ں کو محبت سے آراستہ بھی دیکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ صفیہ اور خالد کی شادی مختار [illegible]ی کے ایماء پر ہوئی ہے۔ اس کے باوجود یہ ممکن ہے کہ صفیہ، خالد سے محبت کرنے [illegible]ی ہو۔"

"اونچی سوسائٹی میں وفا کا اور ہی معیار ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ خالد کی دیگر [illegible]میاں بھی ہوں.......... ایسی جو بے وفائی کے زمرے میں آتی ہوں؟"

"عین ممکن ہے۔"

"اس صورت میں مختار جعفری کا کیا ردعمل ہو گا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ خود بھی اس میدان کا کھلاڑی رہا ہے۔"

"اس کے باوجود بیٹی کے حوالے سے داماد کی آوارگی عام طور پر قابل قبول نہیں ہوتی۔"

"تم پتا نہیں کس زمانے کی بات کر رہے ہو۔ میں نے تو سسر اور داماد کو مشترکہ طور پر آوارگی کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔"

"ایک سوال اور خالد کے والدین شادی میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟"

"میرا خیال ہے، یہ انہوں نے اچھا ہی کیا۔ وہ یقیناً احساس کمتری میں مبتلا ہوں گے۔ انہیں خالد کی پوزیشن کا خیال بھی ہو گا۔"

"میں ان کی جگہ ہوتا تو اکلوتے بیٹے کی شادی کبھی مس نہ کرتا۔"

"ممکن ہے، خالد نے ہی انہیں کسی طرح روک دیا ہو۔ اسے معلوم ہو گا کہ اس کے والدین اس ماحول میں مس فٹ ہوں گے۔"

"شکریہ کامران۔"

☆======☆======☆

مظہر نے بڑی محنت اور خواری کے بعد خالد کے باپ کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس کا نام محمود کیانی تھا۔ ملتان میں اس کی رہائش تھی۔ ہارڈ ویئر کا کاروبار تھا جو گزشتہ چھ سال سے بے حد کامیاب جا رہا تھا۔ کامیابی کا ثبوت یہ بھی تھا کہ اس کے گھر پر فون موجود تھا۔

مظہر نے اس کا نمبر ملایا۔ "کیانی صاحب؟" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں پایونیئر انشورنس کمپنی میں ہوں۔ آپ کے بیٹے خالد محمود نے ہم سے ایک بیمہ پالیسی لی ہے۔ میں آپ سے آپ کے بیٹے کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن پہلے یہ بتائیے، آپ کی بیگم صاحبہ حیات ہیں؟"

"پچھلی بار دیکھا تھا تو حیات ہی تھیں۔"

مظہر کو پسینہ آ گیا۔ محمود کیانی بے حد زندہ دل آدمی معلوم ہوتا تھا۔ "آپ نے پچھلی بار انہیں کب دیکھا تھا؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی دو منٹ پہلے۔"

مظہر نے سکون کا سانس لیا۔ "آپ دونوں کی صحت کیسی ہے؟"

"بس احمقانہ فون کالز کی وجہ سے سر میں درد رہتا ہے باقی سب خیریت ہے۔" جواب ملا۔

"آپ نے خالد صاحب کو آخری بار کب دیکھا تھا؟"

"ابھی چند ہفتے پہلے۔"

"چند ہفتے پہلے!" مظہر اپنے لہجے کی حیرت نہ چھپا سکا۔

"ہاں' وہ ہر ڈیڑھ دو ماہ بعد ہم سے ملنے آتا ہے۔"

"کیسے؟"

"ہمیشہ اپنے جہاز میں آتا ہے۔ ایک معاون پائلٹ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ خط لکھنے کے معاملے وہ ہمیشہ سے نکما ہے۔"

"آپ ان کی شادی میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟"

"بس.......... قسمت میں ہی نہیں تھا۔" محمود کیانی نے آہ بھر کے کہا۔ "خالد نے ہمیں تفریح کے لیے پہاڑوں پر بھیجا تھا۔ اخراجات بھی وہی برداشت کر رہا تھا۔ واپسی میں ہمیں اس کی شادی میں شرکت کرنا تھی۔ مگر اچانک کسی وجہ سے شادی جلدی کرنا پڑ گئی۔ ہمیں مری تار ملا کہ کل شادی ہے۔ ہم کسی طرح پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ میری بیوی تو خوب روئی۔ ویسے میرا خیال ہے' وہ شادی میں شریک ہوتی' تب بھی ضرور روتی وہ بے حد رقیق القلب ہے۔"

"تو آپ جعفری صاحب سے کبھی نہیں ملے؟"

"نہیں' میں نے تو آج تک اپنی بہو کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ خالد کہتا ہے کہ وہ جہاز میں بیٹھنے سے ڈرتی ہے۔ ہے نا عجیب بات۔ اس کے باپ کی جہاز کے پرزوں کی کمپنی ہے۔ اس کا شوہر جہاز اڑاتا ہے اور وہ جہاز سے ڈرتی ہے۔"

"آپ کبھی کراچی نہیں آئے؟"

"نہیں۔ کراچی تو بس ہم نے ٹی وی پر دیکھا ہے۔ مجھے تو وحشت ہوتی ہے بڑے شہروں سے۔ آدمی پر آدمی چڑھا پھرتا ہے۔ میاں' یہ تو بتاؤ' تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"بس.......... آپ کی اور آپ کی بیگم کی صحت کے متعلق معلوم کرنا تھا۔"

"یہ تو بڑا فائدہ ہے۔ بیمہ کرانے کا۔ سنو بیٹے' کبھی موقع ملے تو پھر فون کرنا۔"

"سنئے.......... خالد صاحب کی صحت کیسی ہے؟"

"قابل رشک۔ اس معاملے میں وہ مجھ پر گیا ہے۔ وہ پنجاب کا باکسنگ چیمپئن تھا۔

نیشنل چیمپئن شپ میں بھی شرکت کرنے والا تھا۔"

"ہمارے ملک میں اعلیٰ معیار کی باکسنگ ہی کہاں ہوتی ہے۔"

"ٹائٹیل پھر ٹائٹیل ہوتا ہے۔" بڑے میاں نے چڑ کر کہا۔ "تم نے کبھی کوئی تیر مارا ہے؟"

"جی ہاں۔ اس سال مجھے بیسٹ ایجنٹ آف دی ائیر منتخب کیا گیا ہے۔"

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔ مجھے تمہاری کال سے بھی خوشی ہوئی۔ کبھی خالد کے ساتھ آنا۔"

"وہ تو مجھے جانتے بھی نہیں۔ ویسے میرا ایوارڈ وصول کرنے کا ارادہ بھی نہیں۔"

"کیوں بیٹے؟"

"بس مجھے یہ اوپری اوپری سا لگتا ہے۔"

"نہیں بیٹے۔ انعام کی ایک اپنی اہمیت اور قیمت ہوتی ہے۔ ایوارڈ ضرور لینا۔ مجھے پھر فون کرنا۔ تم سے بات کرکے خوشی ہوئی۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

"نصیر عمران۔"

☆======☆======☆

مظہر واپس پہنچا تو رینا سو چکی تھی۔ جھونپڑی میں لالٹین کی روشنی بہت کافی معلوم ہو رہی تھی لیکن ساحل تاریک تھا۔ سمندر کا شور اس تاریکی کو مہیب تر بنا رہا تھا۔ مظہر نے اسٹوو جلایا اور دال چولہے پر چڑھا دی۔ برتنوں کی کھٹ پٹ سے رینا کی آنکھ کھل گئی۔

"آگئے تم؟ کیا کر رہے ہو؟"

"دال پکا رہا ہوں۔ کھاؤ گی؟"

رینا نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مظہر اسے بغور دیکھتا رہا۔

اب اس میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ محض ہڈیوں کا ڈھانچا تھی۔ چہرے پر آنکھوں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔

مظہر نے پلیٹ میں دال نکالی۔ روٹی وہ آتے ہوئے لیتا آیا تھا۔ رینا بھی اس کے ساتھ آبیٹھی۔ "آج میں نے چالیس روپے کمائے۔" وہ نوالہ توڑتے ہوئے بولی۔ "اور اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں' کل کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ مال کہاں سے لیا تم نے؟"

"موٹے مستان کے سوا یہاں ہے ہی کون؟"

"مال اچھا تھا؟"

"فسٹ کلاس لیکن ختم ہو رہا ہے۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ کل تک نیا مال آجائے گا شاید۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ مستان کو مال کہاں سے ملتا ہے؟"

"کیوں.......... تمہیں اس کی کیا فکر ہے؟"

"میرا خیال ہے' جو مستان کو سپلائی کرتا ہے اس سے ہمیں سستا مال مل سکتا ہے' یہی مال کم قیمت پر۔"

"پتا نہیں' مستان کو مال کہاں سے ملتا ہے!" رینا نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔

"مستان ساحل سے کہیں جاتا بھی نہیں۔ نہ جانے کیا چکر ہے۔"

"تم دن بھر غائب رہے۔ کیا کرتے پھرے؟"

"میں نے دو دوکانوں سے چیزیں چوری کیں۔ اس کام میں وقت بہت لگتا ہے۔" مظہر نے کہا۔ "اب دکان دار بھی چوکس ہو گئے ہیں۔"

"کتنا ہاتھ لگا؟" رینا نے پوچھا۔

"چوبیس روپے۔"

"پورے دن میں؟ یہ تو کچھ بھی نہیں۔"

"ہاں.......... اسی لیے تو اب میرا موٹے مستان پر ہاتھ صاف کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"لیکن اب تو اس کے پاس زیادہ مال بھی نہیں۔"

"تو آجائے گا۔ ایسے میں ہاتھ صاف کروں تو مزہ آجائے مال بھی ملے اور رقم بھی۔"

"لیکن مجو.......... موٹا مستان اچھا آدمی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھو نا' وہ کوئی جنرل اسٹور نہیں انسان ہے اور پھر وہ ہم سب کا خیال رکھتا ہے۔" رینا کے لہجے میں ترحم تھا۔

"یہ تو سوچو' اسے لوٹ کر عیش ہو جائیں گے ہمارے۔"

"تم اسے لوٹ ہی نہیں سکو گے' تمہیں کیا' کسی کو بھی معلوم نہیں کہ وہ مال کہاں

چھپا کر رکھتا ہے۔"

"مشکل یہ ہے کہ وہ اپنی جھونپڑی سے کبھی دور نہیں جاتا۔"

"خیر.......... کھانا کھانے تو جاتا ہو گا۔" رینا نے پُر خیال لہجے میں کہا۔

"اسے کھانا وہ دونوں لڑکیاں لا کر دیتی ہیں۔ کیا نام ہے ان کا.......... نعیمہ اور نازو۔"

"کبھی کبھی میں بھی لا دیتی ہوں۔"

"کچھ بھی ہو' میں اسے لوٹنا چاہتا ہوں۔ آخر اس کے پاس مال آتا کہاں سے ہے؟"

"کہیں سے بھی آتا ہو' اے ون ہوتا ہے۔"

"اور تم کہہ رہی ہو کہ اس کے پاس مال ختم ہو رہا ہے۔"

"ہاں۔ اس کا مطلب ہے' دو ایک دن میں اسے تازہ مال مل جائے گا۔ ہمیشہ ایسا ہوتا ہے۔ اور وہ اچھا آدمی ہے۔ میرا خیال بھی رکھتا ہے۔"

بات بن نہیں رہی تھی۔ مظہر جھنجلا گیا۔ موٹے مستان کے ذریعے کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ نشے بازوں کو ہیروئن کے حصول سے غرض تھی۔ انہیں اس سے کوئی سرو کار نہیں تھا کہ ہیروئن مستان تک پہنچتی کیسے ہے۔

اس نے چٹائی جھاڑ دی' دری بچھائی اور ہاتھ کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد اسے نیند آگئی۔

☆======☆=======☆

ہفتے کی صبح وہ اٹھا اور ساحل پر نکل آیا۔ جونی پیٹ کے بل ریت پر لیٹا تھا' وہ اس کے پاس چلا آیا۔ "کیا ہو رہا ہے جونی؟"

"بھوک لگ رہی ہے۔ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟"

"اسّی پیسے ہیں۔" مظہر نے کہا اور پیسے نکال کر اس کے سامنے ریت پر ڈال دیے۔

جونی نے پیسوں کو دیکھا بھی نہیں۔ "تم دنیا کے سب سے عظیم چور ہو۔ جیب میں لیے پھرتے ہو اسّی پیسے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"دکان دار ہوشیار ہو گئے ہیں۔" مظہر نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"اپنے میدان کو آگے بڑھاؤ۔ شہر جا کر ہاتھ صاف کیا کرو۔ پتا ہے' میں خود بہت اچھا نقب زن تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"کسی بدبخت نے میرے نقب زنی کے سامان پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔" جونی نے

قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"تم نے بیمہ کیوں نہیں کرایا تھا؟"

"اب کیا......... اب تو میں بڈھا ہو گیا ہوں۔ اب کام نہیں کر سکتا۔" جونی بولا۔

"ایک زمانے میں' میں نے بڑی دھوم مچائی تھی۔ میں نے ایک غریب آدمی کے گھر پر ہاتھ صاف کیا۔ ایک کوئلے کی استری' ایک بینڈ کا ٹرانزسٹر' ایک دری' ایک تکیہ۔ دوسری بار میں گیا تو اس نے وہی چیزیں دوبارہ خرید لی تھیں۔ میں نے سات بار اس کے گھر میں چوری کی' ہر بار یہی کچھ ملا۔ میں جو کچھ چراتا' وہ دوبارہ خرید لیتا تھا۔ آٹھویں بار گیا تو گھر خالی پڑا تھا۔ وہ خود کو ہی سامان سمیت چرا کر بھاگ گیا تھا۔"

"اب کیا ہو گا؟" مظہر نے پٹڑی بدلی۔

"پتا نہیں۔ مجھے کچھ پروا بھی نہیں۔"

"موٹا مستان تو بغیر پیسے کے کچھ دے گا بھی نہیں۔"

"ہاں۔ سالا بڑا......... ہے۔" جونی نے موٹی سے گالی اگلی۔

"میں سوچتا ہوں' اسے مال کہاں سے ملتا ہے؟"

"یہ پتا چل جائے تو ایک منٹ میں ہاتھ صاف نہ کر دوں۔" جونی نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں میرے پاس اپنا مال ہو گا لیکن وہ خبیث تو ساحل سے کہیں جاتا بھی نہیں۔ میری سمجھ میں اس کا چکر نہیں آتا۔"

مظہر کو منشیات کا پچھلا بحران یاد آ گیا۔ سب تڑپ رہے تھے۔ موٹا مستان اعلان کر چکا تھا کہ اس کے پاس چٹکی بھر بھی ہیروئن نہیں ہے۔ وہ چاندنی رات تھی۔ مظہر پوری رات مستان کی جھونپڑی کے سامنے ریت پر لیٹا رہا تھا لیکن اس نے نہ تو مستان کو جھونپڑی سے نکلتے دیکھا اور نہ ہی کسی کو اس کی جھونپڑی کی طرف جاتے دیکھا لیکن اگلے روز ساڑھے گیارہ بجے سب کو معلوم ہو گیا کہ مال آ چکا ہے۔

"مجھے تو وہ مردود جادوگر معلوم ہوتا ہے۔" جونی بڑبڑایا۔

"رینا نے مجھے بتایا ہے کہ مال پھر ختم ہو رہا ہے۔"

"کوئی پروا نہیں۔ نیا مال آ جائے گا جادوگر کے پاس۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ ایک دو دن تنگی رہتی ہے پھر مال آ جاتا ہے' اب بھی یہی ہو گا۔" جونی نے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔

"مجو......... تم نے غور کیا۔ یہ پولیس والے ہر بار ایک ہی لونڈے کو پکڑ کر لے جاتے ہیں ہر دس پندرہ دن بعد......... اس سے پوچھ گچھ کرتے ہیں......... مارتے پیٹتے ہیں پھر چھوڑ

دیتے ہیں۔ وہ بدبخت بھی چھوٹتے ہی یہاں آ جاتا ہے' یہ نہیں کہ ٹھکانا بدل لے۔"

"میرا خیال ہے' اس نے آج تک زبان نہیں کھولی۔" مظہر نے کہا۔

"زبان کھول دی ہوتی تو سب اندر بیٹھے ہوتے۔ ویسے پولیس والے ہیں بڑے احمق۔"

"وہ شاید اس کے باپ کی وجہ سے اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ اس کا باپ اسکول کا پرنسپل ہے۔ اسی لیے اسے سدھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے' انہیں یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی زبان نہیں کھولے گا۔ اسی لیے وہ ہر بار نوید کو پکڑتے ہیں۔ پھر بھی یہ بات عجیب سی لگتی ہے۔"

"آج تمہارا موڈ بہت اچھا ہے جونی۔"

"ہاں۔ رات ستارے آسمان سے اتر کر آئے تھے۔ میرے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے مجھ سے۔"

"کیا کہہ رہے تھے وہ؟"

"کہہ رہے تھے......... جونی' تم خدا کا انتخاب ہو۔ تمہیں لوگوں کی سمندر میں رہنمائی کرنی ہے۔" جونی نے کہا اور سمندر کو یوں گھورنے لگا جیسے سوچ رہا ہو کہ اگلے راؤنڈ میں لوگوں کی کس طرح رہنمائی کرے گا۔

☆======☆======☆

مظہر' موٹے مستان کی جھونپڑی میں بیٹھا تھا۔ مستان یوگیوں کے سے انداز میں آسن جمائے بیٹھا تھا۔ "مال ختم ہو چکا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"میرے پاس بیس روپے ہیں۔" مظہر نے کہا۔

"بچا کر رکھو۔ کسی وقت بھی نیا مال آ سکتا ہے۔"

"مجھے تو ابھی ضرورت ہے۔"

"مجھے احساس ہے۔ میں جانتا ہوں۔" مستان کی مہربان آنکھوں میں نرمی سی چمکی۔

"مگر اس وقت میں خالی ہوں۔ رینا کا کیا حال ہے؟"

"وہ سو رہی ہے۔" مظہر نے جواب دیا۔

"اس کی حالت اچھی نہیں ہے مجو۔ پھر بھی وہ دھندا کرتی ہے۔ تم اسے یہاں سے لے کیوں نہیں جاتے؟"

"میں تو یہاں سے خود نہیں جا سکتا۔ اسے کیا لے جاؤں۔" مظہر نے پوچھا۔ "کیا

خیال ہے' نوید زبان تو نہیں کھولے گا؟"

مستان کی نگاہیں جھونپڑی کے باہر ساحل کی ریت کی طرف اٹھیں۔ اس کی نظروں میں ایک لمحے کو چمک سی ابھری۔ "میں نہیں سمجھتا کہ اس کی زبان کھل سکتی ہے۔"

"آخر کیوں؟ ہر بار وہ اسے جی بھر کے مارتے ہیں اور مارتے ہی رہتے ہیں۔"

"لیکن اس نے اب تک تو زبان نہیں کھولی۔"

"ہر بار ان کا نزلہ اس پر ہی کیوں گرتا ہے؟"

"وہ ان کا جانا پہچانا لڑکا ہے۔ وہ اس پر بھرپور دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ باری باری ہم میں سے ہر ایک کی مرمت کرنے کی بجائے ایک ہی لڑکے کو مارا جائے تو کسی نہ کسی موقع پر اس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ پھر وہ اسے سرکاری گواہ بنا لیں گے۔ میں نے یہ کھیل بہت دیکھے ہیں۔"

"تو کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نوید کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟"

"میرے خیال میں یہ ممکن نہیں۔ وہ لڑکا گردن گردن نشے کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے اس کو تو مار پیٹ کا پتا ہی نہیں چلتا ہو گا۔"

"اگر اس نے زبان کھول دی تو ہمیں اس بات کا کیسے پتا چلے گا؟" مظہر نے پوچھا۔

"معاشرے کے منتقم مزاج فرشتے روشنیاں چمکاتے ہوئے لاٹھیاں لے کر آئیں گے تو پتا چل جائے گا کہ نوید نے زبان کھول دی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ ایسا ہونے والا ہے؟"

"یقین کرو مجو......... ایسا کبھی نہیں ہو گا۔"

"مستان......... میں نے تو کسی کو کہتے سنا ہے کہ وہ تمہیں لوٹنا چاہتا ہے۔"

"کس سے سنا ہے؟"

"یہ تو میں نہیں بتاؤں گا۔"

"جونی ہو گا۔ حالانکہ اب تو اس سے چلا بھی نہیں جاتا۔"

"نہیں......... جونی نہیں۔ کوئی اور ہے۔"

"ایسا کون ہے جو مجھے لوٹنا چاہے گا!" مستان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ کہتا ہے کہ اسے معلوم ہے' تمہارے پاس مال کہاں سے آتا ہے۔"

"یہ بات کوئی نہیں جانتا......... سوائے خدا کے۔" مستان نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"وہ کہتا ہے کہ اسے معلوم ہے تمہیں مال یہیں بیٹھے بیٹھے مل جاتا ہے۔ کوئی مال

لے کر خود آتا ہے تمہارے پاس کیا یہ سچ ہے؟"

"بیٹے......... یہ سچ نہیں۔"

"وہ کہتا ہے' اب کے جو مال آئے گا تو میں مال بھی چھینوں گا اور رقم بھی۔"

"یہ ممکن نہیں۔ سسٹم کچھ اور ہی ہے۔"

"تو پھر تم ہی بتاؤ' مال تم تک کیسے پہنچتا ہے؟" مظہر نے معصومیت سے پوچھا۔

"بس میں دعا کرتا ہوں اور مال آجاتا ہے۔ مجو! میرے بچے' تم اچھے لڑکے ہو مگر ذہین نہیں ہو۔ مستان کو کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ کل دوپہر تک مال آجائے گا۔ پھر جتنا جی چاہے' لے لینا۔"

☆======☆======☆

مظہر نے فون بوتھ سے خالد محمود کے گھر کا نمبر ملایا۔ "مجھے بیگم صفیہ سے بات کرنا ہے۔"

"وہ تو موجود نہیں ہیں' کوئی پیغام ہو تو دے دیجئے۔" دوسری طرف سے شاید کسی ملازمہ نے جواب دیا۔

"میں ٹینس کلب سے بات کر رہا ہوں۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گی؟"

"وہ تو کلب ہی میں ہوں گی جناب۔ آج ان کا میچ تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ لنچ اپنے ڈیڈی کے ساتھ کلب میں ہی کریں گی۔"

"اوہ......... تو وہ یہیں ہیں۔"

"جی ہاں جناب!"

"زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ شکریہ۔"

بوتھ سے نکل کر مظہر نے سپر مارکیٹ سے نئی ٹی شرٹ' سفید موزے اور ٹینس کے شارٹس خریدے۔ اب وہ پوری طرح تیار تھا۔

☆======☆======☆

وہ ٹینس کورٹ کے سامنے والی میز پر تنہا بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے لائم جوس کا گلاس تھا۔ "آپ صفیہ محمود ہیں نا؟" مظہر نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"میں نے آپ کو شادی کے بعد آج دیکھا ہے۔"

"آپ خالد کے دوست ہیں؟"

"ہم کالج کے ساتھی تھے۔ اب تو برسوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کمال ہے! آپ نے اتنے عرصے بعد بھی مجھے پہچان لیا۔" صفیہ نے پُرستائش لہجے میں کہا۔

"آپ کو کون بھول سکتا ہے۔ اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں؟"

مظہر کلب میں عجب ترکیب سے داخل ہوا تھا۔ وہ عقبی دروازے سے لاکر روم میں پہنچا تھا۔ لاکر کے درازے پر سب سے نئی نظر آنے والی تختی نذیر چوہدری کے نام کی تھی۔ امکان یہی تھا کہ وہ نئے ممبر ہوں گے اور کلب کا اسٹاف ان کے مہمانوں سے واقف نہیں ہو گا۔

وہاں سے وہ پویلین کی طرف چلا آیا۔ ایک ویٹر نے پوچھا۔ "معاف کیجئے گا جناب' آپ کسی ممبر کے مہمان ہیں؟"

"ہاں۔ میں نذیر چوہدری کا مہمان ہوں۔" مظہر نے جواب دیا۔

"وہ تو اس وقت یہاں نہیں ہیں۔"

"آنے والے ہیں۔"

"آپ کچھ پییں گے۔ جناب؟" ویٹر نے کہا۔ "چوہدری صاحب کے حساب میں۔"

اسی وقت مظہر کی نظر صفیہ پر پڑ گئی۔ وہ اپنی تصویروں سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔

"ہاں......... کافی لے آؤ۔" مظہر نے کہا۔ اور اب وہ مزے سے صفیہ کے سامنے پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا۔

"میری یادداشت اتنی اچھی نہیں مجھے تو آپ کا نام بھی یاد نہیں۔" صفیہ نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"میرا نام ہی ایسا ہے کہ کسی کو یاد نہیں رہتا۔ نادر بغتالچی۔"

"نادر تو مجھے یاد رہے گا۔"

میز پر ایک پولو رائیڈ کیمرا رکھا تھا۔

"آپ کا تعلق اسی شہر سے ہے؟" صفیہ نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں کاروبار کے سلسلے میں آیا ہوں۔ میرا تعلق مظفر آباد سے ہے۔"

"کیا کاروبار ہے آپ کا؟"

"فرنیچر کا کاروبار ہے۔ کشمیر کا' اخروٹ کی لکڑی کا فرنیچر ملک بھر میں مشہور ہے۔"

"مجھے افسوس ہے' آپ خالد سے نہیں مل سکیں گے۔ وہ ایک کنونشن میں شرکت کے لیے لاہور گئے ہوئے ہیں۔"

"ان کا ہوا بازی کا شوق برقرار ہے؟" مظہر نے پوچھا۔

"ہاں' اس کام سے تو وہ کبھی نہیں تھکتے۔" صفیہ نے کہا۔ "وہ آپ کو مس تو کرتے ہوں گے؟"

"نہیں۔ ہم کبھی بہت قریب نہیں رہے۔ اس میں ایک نظریاتی اختلاف کا دخل بھی تھا۔ آپ کی شادی کے دن میں نے باتوں ہی باتوں میں بڑے کاروباری لوگوں اور ان کی ذہنیت پر طنز کر دیا تھا۔ خاصی تلخی ہوئی۔"

صفیہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ بولی۔ "ذرا تفصیل سے بتائیے۔ کہیں آپ نے باس کی بیٹی سے شادی کا حوالہ تو نہیں دیا تھا؟"

"تو کیا آپ اس کے باس کی بیٹی ہیں؟" مظہر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اور وہ اس معاملے میں بے حد حساس ہیں۔ اسی لیے غصہ آگیا ہو گا۔"

"میرے خدایا! میں تو بے خبری میں کہہ گیا تھا۔ مجھے تو آج پتا چلا ہے حقیقت کا' اور وہ سمجھ رہا ہو گا کہ میں اس پر چوٹ کر رہا ہوں۔"

"خیر......... یہ طنز تو انہیں مسلسل سننا پڑتا ہے اور وہ یہ ثابت کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں کہ انہوں نے ڈیڈی کے کاروبار سے نہیں' مجھ سے شادی کی ہے۔"

"تو وہ آپ کے ڈیڈی کی کمپنی میں کام کرتے ہیں؟"

"فی الوقت تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون کس کے لیے کام کرتا ہے۔ خالد کمپنی کو سنبھالے ہوئے ہیں اور ڈیڈی ٹینس ٹورنامنٹ منعقد کراتے رہتے ہیں۔ بلکہ ڈیڈی تو خالد کے ہر مشورے پر عمل کرتے ہیں۔ خود کچھ نہیں کرتے۔"

"خالد ہمیشہ سے ہر معاملے میں اہل رہا ہے۔ ویسے آپ کے ڈیڈی کا کاروبار کیا ہے؟"

"جہاز کے پرزے اور دوسرا سامان بنانے کی واحد کمپنی ہے ہماری۔ اس کے شیئرز اسٹاک مارکیٹ میں بھی نہیں آتے۔ ڈیڈی کے پرانے دوستوں اور کچھ رشتے داروں کے پاس حصص ہیں۔ ویسے نادر صاحب' آپ کلب میں کس حوالے سے آئے ہیں؟"

"میں نذیر چوہدری کے مہمان کی حیثیت سے آیا ہوں۔ ان سے بزنس کے سلسلے میں میری ملاقات طے تھی۔"

"نذیر چوہدری کو تو میں جانتی بھی نہیں۔ وہ شاید کلب کے نئے ممبر ہیں۔"

"مجھے تو معلوم نہیں۔"

"یہ کلب ڈیڈی کو بہت عزیز ہے۔ یہ سمجھ لیں' کلب بنایا ہی انہوں نے ہے۔ کلب نیشنل ایوی ایشن کے بڑے اسٹاک ہولڈرز میں شامل ہے۔ ٹینس سے مجھے بھی بہت سہارا ملتا ہے۔ خالد تو مصروف بہت رہتے ہیں۔ پیر اور بدھ کو تو وہ رات گیارہ بجے سے پہلے واپس ہی نہیں آتے۔ جمعرات کو میں کلب کی میٹنگ میں شریک ہوتی ہوں۔ ملازمین بھی چھٹی پر ہوتے ہیں۔ کلب سے میں اور سونیا ڈیڈی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ سونیا میری بیٹی ہے۔ خیر......... تو میں یہ بتا رہی تھی کہ میں اور خالد منگل کے دن یکجا ہوتے ہیں........."

مظہر کو اس بولتی مشین پر رشک آنے لگا لیکن اچھی خاصی کام کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں۔ خالد کے جمعرات کے پروگرام کی تصدیق ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے بات آگے بڑھائی۔

"خالد کی صحت ایک زمانے میں قابل رشک ہوتی تھی' اب کیا حال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاندار! لیکن آپ اتنے عجیب لہجے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"خالد کو سگریٹ نوشی کی وجہ سے ہمیشہ یہ وہم رہتا تھا کہ اسے کینسر ہو جائے گا۔ وہم کیا' اچھا خاصا یقین تھا اسے۔"

"کمال ہے! انہوں نے مجھ سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی۔ سگریٹ بھی وہ بہت زیادہ نہیں پیتے۔"

"اور ہمایوں کا کیا حال ہے؟ خالد کی اس سے بڑی دوستی تھی۔ آپ کی شادی میں بھی ہمایوں پیش پیش رہا تھا۔"

"بھئی' واہ آپ کی یادداشت غضب کی ہے!" صفیہ ستائشی لہجے میں بولی۔ "ہمایوں ٹھیک ٹھاک ہے۔ اب موٹا اور گنجا ہو گیا ہے۔ اس کی بلانوشی کا اب بھی وہی حال ہے۔ انشورنس کمپنی کا کام کرتا ہے۔ خالد کا بیمہ بھی اسی نے کرایا تھا۔ اب نیشنل ایوی ایشن کی ہر پالیسی اسی کے توسط سے لی جاتی ہے۔"

"خالد کے ہوا بازی کے شوق کے پیش نظر اس کی پالیسی تو بڑے اماؤنٹ کی ہونی چاہیے۔"

"اتنی بڑی بھی نہیں ہونی چاہیے جتنی ہے۔" صفیہ نے منہ بنا کر کہا۔ "ڈیڈی پریمیم

کی بھاری رقم کے حوالے سے انہیں سبق دینا چاہتے تھے......... بتانا چاہتے تھے کہ ان کی زندگی کتنی قیمتی ہے لیکن بات بنی نہیں۔ خالد کا ہوا بازی سے عشق اب بھی برقرار ہے۔"

"پریمیم خالد ادا کرتا ہے یا کمپنی ادا کرتی ہے؟"

"ہمارے ہاں کمپنی کا مطلب ہے' ڈیڈی۔ ڈیڈی نے ملازمت کی شرط رکھی' تیس لاکھ کی پالیسی۔ اور شرط کے مطابق پریمیم خالد ہی کو ادا کرنا تھا۔ اس قسم کی شرط کے سلسلے میں ڈیڈی کا ذہن بہت تیز کام کرتا ہے لیکن یہاں ڈیڈی کو شکست ہوئی۔ جو انہوں نے چاہا' ہو نہیں سکا۔ مجھے خالد کے شوق ہوا بازی سے نفرت ہے۔ کاش' وہ جہاز اڑانا چھوڑ دیں۔"

"ایک بات مجھے عجیب لگتی ہے۔ خالد کے والدین اس کی شادی میں شریک نہیں ہوئے۔"

"خالد ان سے کبھی ملتے بھی نہیں۔"

"آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگتی؟"

"لگتی ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ وہ اپنے والدین سے بہت کلوز ہیں لیکن اب پتا چلا ہے کہ وہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ میں آج تک ان سے نہیں ملی۔"

"یہ نفرت والی بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔ میرا خیال ہے' خالد ہر دو مہینے میں کم از کم ایک بار ان سے ملنے ضرور جاتا تھا۔"

"یہاں شاید آپ کی یادداشت جواب دے رہی ہے۔ خالد کے والدین اپنی بات منوانے کے عادی تھے۔ سنگین اختلافات کا آغاز باکسنگ سے ہوا۔"

"ہاں......... خالد اچھا باکسر بھی تھا۔"

"خالد کو باکسنگ سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ والد کے اصرار پر وہ لڑتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں اسکول سے واپس آکر کھانا کھانے کے بعد انہیں شام تک پنچنگ بیگ پر گھونسے برسانا پڑتے تھے۔ ورنہ ان کے والد ان کی پٹائی کرتے تھے۔ جب کہ خالد کو باکسنگ سے نفرت تھی۔ اسی لیے انہوں نے قومی چیمپئن شپ میں شرکت سے انکار کر دیا۔ بس اسی دن کے بعد سے ان کے باپ نے ان سے بات چیت بند کر دی۔ آج تک بند ہے بات چیت۔ ماں ان کی سدا کی بیمار تھیں' ان کا زیادہ تر وقت پلنگ پر گزرتا تھا۔"

"آپ کا کبھی اپنے ان لاز سے ملنے کو جی نہیں چاہا؟"

"خالد سے ان کے متعلق اتنا کچھ جاننے کے بعد تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ

مسائل تو میں نے اپنے گھر پر بھی کم نہیں بھگتے۔ لو......... وہ ڈیڈی آ رہے ہیں۔"

مظہر نے نظر اٹھا کر پویلین کی طرف دیکھا۔ مختار جعفری آ رہا تھا لیکن جس حساب سے لوگ اسے مل رہے تھے، اسے میز تک پہنچنے میں خاصا وقت لگتا۔ "ہاں......... میں نے پہچان لیا۔" مظہر نے کہا۔

"لیکن وہ آپ کو نہ پہچانیں تو ڈس اپائنٹ نہ ہو جائیے گا۔"

"وہ مجھے یاد کیسے رکھ سکتے ہیں، برسوں پرانی بات ہے، درمیان میں ملاقات بھی نہیں ہوئی۔"

صفیہ کی آنکھوں میں بلاوے مچلنے لگے۔ "آپ خوبصورت آدمی ہیں۔ خوب صورت لوگوں کو یاد رکھنا مشکل نہیں ہوتا۔ آپ کا آج جانا اتنا ضروری تو نہیں۔ آج رک جائیے نا۔" اس کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔

"میرا جانا ضروری ہے۔" مظہر نے گڑبڑا کر کہا۔ مغرب زدہ طبقے کی بے راہ روی سے وہ بے خبر نہیں تھا لیکن اس سے براہِ راست سابقہ پہلی بار پڑا تھا۔ "ایک بات بتائیں، آپ نے اور خالد نے کہیں کوئی زمین وغیرہ بھی خریدی؟" اس نے بات آگے بڑھائی۔

"ہاں......... خالد پنجاب میں زرعی زمین خرید رہے ہیں۔"

"بہت خوب!"

"ہرگز نہیں۔ میں نے زندگی شہر میں گزاری ہے۔ لڑکپن میں ایک بار گرمیوں کی چھٹیاں دیہات میں گزاری تھیں بہت سخت اور تکلیف دہ زندگی ہوتی ہے دیہات کی۔ اب شہر میں عمر گزارنے کے بعد فارمنگ اور کاشتکاری! کیا لغویت ہے؟ مجھے گائے بھینسوں، بھیڑ بکریوں سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن خالد اسے اچھی سرمایہ کاری قرار دیتے ہیں بلکہ وہ جمعے کو مجھے زمین دکھانے لے کر بھی جائیں گے۔ مجھے تو وہاں جانے کا سوچ سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔"

جمعے کو! مظہر حیران رہ گیا۔ قتل کے بعد! اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ "وہاں کم از کم آپ کو خالد کی قربت تو مل سکے گی۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اس زمین پر سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ ایک رن وے بنوائیں گے۔ اس کے بعد وہ ہوں گے اور ان کا جہاز۔ اور میں ہوں گی اور گائیں، بھینسیں، بھیڑیں اور بکریاں۔"

"تو آپ خالد کو زمین خریدنے سے روک دیں۔"

"ناممکن، وہ جمعے کو بیعانہ لے کر جا رہے ہیں۔ سودا تقریباً مکمل ہو چکا ہے......... آیئے ڈیڈی۔"

مظہر احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔ صفیہ نے مختار جعفری سے اس کا تعارف کرایا۔ "ڈیڈی، یہ خالد کے پرانے دوست ہیں نادر بغتا......... معلوم نہیں۔" وہ جھنجلا گئی۔

"نادر بغتا پچیلی) مظہر نے نہایت ڈھٹائی سے نام کو اور پیچیدہ بنا دیا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ مسٹر بغتا پچیلی" مختار جعفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مظہر کو ذہنی دھچکا لگا۔ مختار جعفری نے اس کا فرضی نام حرف بہ حرف دہرا دیا تھا۔ صفیہ نے مظہر کے متعلق جو کچھ اس سے سنا تھا، باپ کو بتا دیا۔ پھر اس نے اپنا پولو رائیڈ کیمرا......... سنبھالا۔ مظہر، مختار جعفری سے رسمی گفتگو میں مصروف تھا جعفری نے کہا۔

"بیٹھیے، کھانا کھا کر جائیے گا۔"

صفیہ بھی بیٹھ گئی۔ "میں کھانے کے بعد سونے کے موڈ میں تھی۔" اس نے مظہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نادر......... آپ ٹینس کھیلتے ہیں؟" مختار نے پوچھا۔

"بس جناب، ریکٹ پکڑنا آتا ہے۔ مجھے یہ کھیل بہت پسند ہے لیکن کھیلنے کا وقت نہیں ملتا۔"

"وقت نکالا کرو۔ یہ وہ کھیل ہے، جس میں تفریح بھی ہے اور صحت بھی اچھی رہتی ہے۔ کبھی کبھی مجھے احساس جرم ستانے لگتا ہے کہ داماد تو کاروبار میں سر کھپا رہا ہے اور میں ٹینس کھیل رہا ہوں لیکن خالد کے لیے کاروبار کھیل بھی ہے اور تفریح بھی۔ میں اسے کہتا ہوں۔ انقلابی اقدامات کرو۔ بڈھے ڈائریکٹرز کو ریٹائر کرو۔ کمپنی میں نوجوان خون انجیکٹ کرو ایسے نوجوانوں کو سامنے لاؤ جن پر تم اعتبار کر سکو۔ اس طرح تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے گا مگر وہ مانتا ہی نہیں۔ ایک تو یہ لڑکا حد سے زیادہ سنجیدہ ہے۔ حسِ مزاح تو اس میں ہے ہی نہیں۔ ضرورت سے زیادہ سنجیدگی آدمی کو وقت سے پہلے مار دیتی ہے۔"

ویٹر کھانا لے آیا تھا۔ مظہر نے نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔ "بشرطیکہ اس سے پہلے ہی سگریٹ اسے نہ مار ڈالے۔"

"کیا مطلب؟" مختار جعفری نے چونک کر پوچھا۔

"یہ بتا رہے تھے کہ خالد سگریٹ نوشی کی وجہ سے کینسر سے خوف زدہ تھے۔ انہیں

یقین تھا کہ انہیں کینسر ضرور ہو گا۔"

"بھئی......... سگریٹ تو ہے ہی خطرناک چیز تمباکو نوشی کرنی نہیں چاہیے۔" جعفری نے کہا۔

"لیکن خالد نے مجھ سے کبھی ایسی بات نہیں کی۔" صفیہ بولی۔

"یا تو وہ اس خوف کا عادی ہو گیا ہو گا یا ممکن ہے' اس خوف سے چھٹکارا پا لیا ہو۔"

"کینسر سے تو ڈرنا ہی چاہیے۔ بعض اوقات ورثے میں بھی کینسر ملتا ہے لیکن خالد کے والدین کے بارے میں تو ہمیں کچھ علم ہی نہیں۔ ویسے ابھی وہ زندہ تو ہیں چیک اپ کرانا چاہیے ان کا۔"

"خالد تو ان کے متعلق بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ان سے خالد کا کوئی رابطہ بھی نہیں۔"

"اس میں خالد کا کوئی قصور نہیں۔ جو شخص اپنے بیٹے کو باکسنگ پر مجبور کرے' وہ اسی قابل ہے اگر اس نے خالد کو موقع دیا ہوتا تو آج خالد ٹینس کا بہت اچھا کھلاڑی ہوتا۔ اس نے کبھی سمجھا ہی نہیں کہ خالد کتنا ذہین لڑکا ہے۔ باکسنگ میں تو آدمی کا بھیجا ہی ناک کے راستے نکل جاتا ہے۔"

"ڈیڈی......... آپ کی آمد سے پہلے ہم اس منحوس زرعی زمین کے متعلق گفتگو کر رہے تھے........."

"بہت اچھا آئیڈیا ہے۔" مختار جعفری نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"بھیانک آئیڈیا ہے۔" صفیہ بھنا گئی۔

"زمین کی اپنی اہمیت ہے' جو کبھی کم نہیں ہوتی۔ ہمیں بہت پہلے جائیداد میں پیسہ لگانا چاہیے تھا لیکن زمینوں کا انتظام سنبھالنا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ البتہ خالد سنبھال سکتا ہے مجھے خوشی ہے کہ وہ زمین خرید رہا ہے۔"

"مجھے نفرت ہے اس آئیڈیے سے۔"

"تمہارا وہاں جانا ضروری تو نہیں۔" جعفری نے بیٹی کو تسلی دی۔

"خالد تو زمین کا ذکر ایسے کرتے ہیں' جیسے اسی سے ہمارا مستقبل وابستہ ہو۔"

"تمہیں کبھی کبھار ہی وہاں جانا ہو گا۔ خالد کو میں نے سعید کا فون نمبر دے دیا تھا۔ وہ جائیداد کی خرید و فروخت میں بہت تیز ہے۔ خالد کو بہت اچھی زمین دلوا دے گا۔ پتا نہیں' خالد نے اس سے بات بھی کی یا نہیں۔ گجرات میں سعید کی اسٹیٹ ایجنسی ہے۔

فلاح اسٹیٹ۔"

"خالد نے ان سے بات کر لی ہے جمعے کو وہ مجھے لے کر گجرات جا رہے ہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ اب مجھے نادر صاحب سے ٹینس میچ کی بات کرنے دو۔"

"لیکن میں تو سہ پہر کی ٹرین سے واپس جا رہا ہوں۔" مظہر نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "ویسے یہ کلب شان دار ہے۔ صفیہ بتا رہی تھیں کہ اس کی تعمیر میں آپ کا کتنا دخل ہے۔"

"یہ ضروری تھا۔ نوجوانوں کو صحت مندانہ سرگرمیوں کے لیے ماحول ملنا چاہیے۔ اب تو ہمارے بچے ساحل پر بھی نہیں جا سکتے۔ ہر طرف منشیات کا دور دورہ ہے۔ ان دنوں بچوں کو ساحل پر جانے کی اجازت دینا انہیں موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ میں نے اس سلسلے میں خیابان تھانے کے انچارج انسپکٹر رفیق سے کئی بار بات کی ہے کہ وہ اس سلسلے میں کچھ کرے۔ میں نے یہاں تک کہا کہ میں اس سلسلے میں مالی امداد کے لیے بھی تیار ہوں بشرطیکہ وہ ساحل کو نشے بازوں سے پاک کر دے۔ انسپکٹر کا کہنا ہے کہ وہ پوری کوشش کر رہا ہے۔ ساحل پر اس کا ایک مخبر بھی موجود ہے لیکن کام بہت دشوار ہے۔"

"مجھے علم نہیں تھا کہ آپ نے یہ پیشکش کی ہے ڈیڈی۔ ویری سویٹ آف یو۔"

"سویٹ نہیں' یہ ضروری ہے۔" مختار جعفری نے کہا۔

"نشے بازوں کی وجہ سے اس علاقے میں چوریاں بڑھ گئی ہیں۔ کچھ عرصے بعد قتل کی نوبت بھی آ جائے گی۔ جب کسی نشے باز کو طلب کے باوجود ہیروئن نہ ملے تو وہ بڑے سے بڑے جرم پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ گندگی صاف ہونا چاہیے۔ دکھ اس بات کا ہوتا ہے کہ ہماری نوجوان نسل نشے کے چکر میں خودکشی کر رہی ہے۔ انہوں نے اپنے لیے دنیا میں ہی جہنم تلاش کر لیا ہے۔"

"میں آپ سے متفق ہوں جناب۔" مظہر نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔

"اب انسپکٹر رفیق ریٹائر ہونے والا ہے۔ اس کے بعد شاید کوئی صورت نکلے بہتری کی۔ رفیق بڈھا ہو گیا ہے۔ اسے صرف ریٹائرمنٹ کے بعد کی خوش حالی کی فکر ہے۔ میرا بس چلے تو آج ہی ریٹائر کر دوں۔ اس تھانے کا انچارج تو کسی پُرعزم جوان کو ہونا چاہیے۔ وہی اس غلاظت کو صاف کر سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے' یہ جنون اپنی موت آپ مرجائے گا۔" مظہر نے کہا۔

"کاش، ایسا ہی ہو۔"

"اب مجھے اجازت دیجئے جناب۔ مہمان نوازی کا شکریہ۔"

☆=====☆=====☆

مظہر نے سوئس ایئر کے دفتر فون کیا۔ اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ جنیوا کے لیے جمعرات کی رات، بارہ بجے کی فلائٹ میں مظہر مجید کے لیے ایک نشست مخصوص کرا دی گئی ہے۔ ریزرویشن والوں نے بتایا کہ ٹکٹ کاؤنٹر پر موجود ملے گا۔ سیٹ کنفرم ہے۔

اس کے بعد مظہر نے ملتان محمود کیانی کا نمبر ملایا.......... "میں نصیرالدین بول رہا ہوں جناب۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں اور میری بیوی زندہ اور بخیریت ہیں بیٹے۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "اور سناؤ، ایوارڈ وصول کرنے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے جناب۔"

"فیصلے کو چھوڑو۔ ایوارڈ وصول کر لو۔ ممکن ہے، تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ ہو لیکن مستقبل میں تمہارے بیٹے اور پوتے اس پر فخر کر سکتے ہیں۔"

"آج کل لوگ اولاد کی خواہش کم ہی کرتے ہیں جناب۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ کاش، میرا خالد صاحبِ اولاد ہوتا۔ میں دادا بن جاتا۔ چھ سال ہو گئے اس کی شادی کو.......... لیکن میں اب تک پوتا پوتی سے محروم ہوں۔"

مظہر ششدر رہ گیا لیکن وہ اپنے پیشے کے رموز سے پوری طرح آگاہ تھا۔ حیرت ظاہر کرنا صرف اس وقت مفید ثابت ہوتا ہے، جب آدمی کو کسی بات پر حیرت نہ ہوئی ہو۔

"آپ نے بتایا تھا جناب کہ خالد صاحب ڈیڑھ دو ماہ میں ایک بار آپ سے ملنے ضرور آتے ہیں۔ یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جب سے خالد نیشنل ایوی ایشن میں ملازمت کر رہا ہے شادی کے بعد ڈیڑھ دو سال وہ بالکل نہیں آیا۔ ویسے بھی مجھے اس کا جہاز اڑانا پسند نہیں۔"

"وہ کیوں جناب؟"

"اس میں خطرات بہت ہیں۔"

"خطرات تو باکسنگ میں بھی بہت ہیں۔ اس پر آپ نے کوئی اعتراض کیوں نہیں کیا؟"

"کون کہتا ہے، میں نے اعتراض نہیں کیا۔" بڑے میاں کا لہجہ تند ہو گیا۔ "ہم نے

اسے باکسنگ سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ اسکول سے آتا تو کھانا کھاتے ہی پنچنگ بیگ پر پل پڑتا۔ باکسنگ ذہین لوگوں کے لیے کوئی اچھا کھیل نہیں۔ دماغ ناک کے راستے بہہ نکلتا ہے لیکن وہ سنتا ہی نہیں تھا۔"

"تو پھر انہوں نے قومی چیمپئن شپ میں شرکت کیوں نہیں کی؟"

"میں لڑکیوں کو اسی لیے تو نعمت قرار دیتا ہوں۔ جو کام ہم نہیں کر سکتے، وہ ایک لڑکی نے کر دکھایا۔ سعدیہ کی محبت میں خالد باکسنگ بھول بیٹھا۔ اس کی فٹنس متاثر ہوئی۔ یوں وہ قومی چیمپئن شپ میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

"شکریہ جناب۔ پھر کبھی آپ کو زحمت دوں گا۔"

"ضرور بیٹے۔ میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"

"آپ بہت پیارے آدمی ہیں کیانی صاحب۔ بہت بہت شکریہ۔" مظہر نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

☆=====☆=====☆

ہمایوں کا گھر خیابان ہی میں تھا۔ وہ اس وقت بھی نشے میں تھا، جس سے اس کی بلا نوشی کی تصدیق ہوتی تھی۔ عالم یہ تھا کہ اس نے نادر بغتالچی کو بھی پہچان لیا۔ اسے خالد کی شادی میں نادر بغتالچی کی شرکت تک یاد تھی۔ مظہر نے جتنے جھوٹ گھڑے، وہ سب کی تائید کرتا چلا گیا۔ دیر تک وہ دونوں ان پرانی یادوں سے کھل کر ہنستے رہے، جن کا حقیقت سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں تھا۔

پھر مظہر نے کام کی بات شروع کی۔ "میں تو آج واپس جا رہا ہوں۔ خالد سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں۔ وہ کیسا ہے؟"

"پہلے جیسا.......... شان دار۔ اس کا جسم بالکل تم جیسا ہے، مٹاپے کا نام و نشان بھی نہیں۔ سو فی صد فٹ۔" ہمایوں نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "وہ ہر معاملے میں پہلے جیسا ہی ہے، یاروں کا یار۔ اسکول میں مجھے کرکٹ کا بڑا شوق تھا۔ میں نے کرکٹ ٹیم میں شامل ہونے کے لیے بڑے جتن کیے لیکن ٹیم کے لڑکے مجھے نظرانداز کر کے خالد کے پیچھے پڑے ہوئے تھے جبکہ خالد کو کرکٹ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دراصل یہ خالد کی شخصیت کا کمال تھا۔ ہر لڑکا اس سے دوستی کرنا چاہتا تھا لیکن وہ میرا دوست تھا اور جانتے ہو، اس نے دوستی کیسے نبھائی؟ اس نے اس شرط پر کرکٹ ٹیم میں شمولیت قبول کی کہ مجھے بھی ٹیم میں لیا جائے۔ یوں میری خواہش پوری کی اور اس کی وہ اسپرٹ اب بھی ویسی ہے۔ میں

بے روزگار تھا۔ اس نے اس شرط پر تیس لاکھ کی بیمہ پالیسی لی کہ کمپنی مجھے اپنا ایجنٹ مقرر کرے۔ یہی نہیں، اب اس کی کمپنی کی تمام پالیسیاں میرے ہی توسط سے لی جاتی ہیں۔ میں ہاتھ پیر ہلائے بغیر اتنا کمیشن کماتا ہوں کہ عیش سے گزر رہی ہے زندگی۔ ایسا ہے میرا یار۔"

"تم تو اسے ہیرو بنائے دے رہے ہو۔ جبکہ اس نے.........."

ہمایوں نے مظہر کی بات کاٹ دی۔ "میں جانتا ہوں، تم کیا کہو گے۔ یہی کہ اس نے دولت کے لالچ میں صفیہ سے شادی کر لی لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ وہ ذہین ہے، محنتی ہے۔ اسے نیشنل ایوی ایشن کی ضرورت نہیں تھی۔ نیشنل ایوی ایشن کو اس کی ضرورت تھی اور ہے۔ معاملہ الٹا ہے۔ اس سے اندازہ لگا لو کہ اگر مختار جعفری کو بیٹی اور داماد میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو وہ داماد کو منتخب کرے گا۔ سمجھے؟ شادی نہ بھی ہوتی تو آج نیشنل ایوی ایشن اس کے باوجود اسی کے ہاتھوں میں ہوتی۔ یہ میں حقیقت بیان کر رہا ہوں اور خالد محمود واقعی میرا ہیرو ہے۔"

"لیکن ہمایوں تمہیں خالد کے بارے میں سب کچھ تو معلوم نہیں ہو سکتا۔"

"کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ خالد بہت گہرا آدمی ہے۔ اگر وہ سرطان سے مر رہا ہو گا، تب بھی وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا، یہ اس کی فطرت ہے۔"

عجیب بات تھی۔ خالد کے قریبی دوست نے سرطان کا حوالہ دیا تھا۔ جبکہ خالد کا اپنا دعویٰ تھا کہ وہ سرطان سے مرنے والا ہے۔ کیا یہ اتفاق تھا؟ "سنا ہے، وہ زرعی زمین خریدنے والا ہے؟"

"ہاں، مجھے معلوم ہے، زمین کا بیمہ بھی میرے ہی توسط سے ہو گا۔ میرا پریمیم اور بڑھ جائے گا۔"

"خوش قسمت ہو۔"

"مجھے تو ہر وقت خالد کی زندگی کی فکر رہتی ہے۔ بہرحال دو ہفتے بعد مجھے بروکر سے بات کرنا ہے۔ کیا نام ہے اس کا.......... میں بھول گیا۔"

"سعید نام ہے اس کا۔"

"جانتا ہوں۔ اچھا آدمی ہے۔" ہمایوں نے کہا۔ "تمہیں پتا ہے، زرعی زمین خریدنے کی تجویز صفیہ کی ہے۔"

"نہیں!" مظہر حیران رہ گیا۔ "میرا خیال تھا کہ یہ خالد کا آئیڈیا ہے۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔ خالد کو گائے بھینسوں اور فصلوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر صفیہ اتنی بجھی بجھی کیوں ہے۔" مظہر نے اعتراض کیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں آج اس سے ملا تھا۔ وہ بے حد اداس تھی۔"

"صفیہ سنجیدگی کے معاملے میں خالد سے بھی آگے ہے۔ وہ لوگ اتنے دولت مند ہیں مگر ایسے مسکراتے ہیں۔ جیسے مسکرانے سے دولت کم ہوتی ہو۔"

"اچھا ہمایوں، میں چلتا ہوں۔ مجھے ٹرین پکڑنا ہے۔" مظہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆======☆======☆

شام ہو چکی تھی۔ ہوا میں خنکی تھی۔ مظہر ریت پر لیٹے لیٹے سو گیا۔ ریمبو نے اسے جھنجوڑ کر جگایا۔ "اٹھو.......... پولیس آ گئی ہے۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے، چھپا دو۔"

مظہر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ رینا کہیں نظر نہیں آئی۔ پولیس والے اس کے دائیں بائیں سے اسے نظر انداز کرتے ہوئے گزرے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ مستان اپنی جھونپڑی کے سامنے آسن جمائے بیٹھا، بے نیازی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ نوید بھی ریت پر سو رہا تھا۔ آہٹیں سن کر وہ اٹھا اور کہنیوں کے بل بیٹھ گیا۔

پولیس والوں کی تعداد سات تھی۔ ان میں خیابان تھانے کا انچارج انسپکٹر رفیق بھی شامل تھا۔ وہ نوید کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

"تم لوگ میرے ہی پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ تمہیں میرے سوا کوئی نظر نہیں آتا!" نوید نے فریاد کرنے والے لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاپا تمہارے لیے پریشان رہتے ہیں اور وہ بہت معزز آدمی ہیں۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔" انسپکٹر رفیق نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں نے ہیروئن چھوڑ دی ہے۔"

"تو گھر کیوں نہیں جاتے؟" انسپکٹر نے اعتراض کیا۔ "چلو.......... اٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سرکاری مہمان خانے لے کر جاؤں گا۔"

"میرا پیچھا چھوڑ دو.......... خدا کے لیے۔"

انسپکٹر کے اشارے پر پولیس والوں نے اسے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔

مظہر بہت تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس نے دو پولیس والوں کو پیچھے سے بال پکڑ کر

جھٹکا دیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکے اور گر گئے۔ تیسرے پولیس والے نے پلٹ کر لاٹھی گھمائی۔ مظہر نے جھکائی دے کر اس کے پیٹ میں پوری قوت سے گھونسا مارا۔ چوتھا پولیس والا لاٹھی ایک طرف پھینک کر گھونسا تانتے ہوئے مظہر پر جھپٹا۔ مظہر نے اس کی آنکھ اور ناک پر دو گھونسے رسید کیے۔ وہ چیخ مار کر الٹ گیا۔ اسی وقت مظہر کو عقب سے آہٹ سنائی دی۔ اس نے پلٹنے کی کوشش کی مگر اسے دیر ہو چکی تھی۔ اس کے سر پر لاٹھی پڑی اور ذہن میں اندھیرا اترتا چلا گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو رینا اس کا سر اپنی گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ستارے اترے ہوئے تھے۔ اس نے زور زور سے آنکھیں ملیں۔ وہ سچ مچ کے ستارے تھے آسمان پر۔ ساحل پر سناٹا تھا۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" رینا نے پوچھا۔ پھر بولی۔ "ریمبو نے مجھے آکر بتایا تھا۔ اس نے کہا کہ تم نے ایک پولیس والے کو مارا بھی تھا۔"

"ایک کو نہیں، چار کو۔" مظہر نے فخریہ لہجے میں کہا۔ مگر فوراً ہی سسکاری لینے پر مجبور ہو گیا۔ سر بری طرح دکھ رہا تھا۔

"میں تمہارے لیے کیا کروں.......... بتاؤ؟"

"نشے پانی کا کچھ بندوبست کرو۔"

"میں بے بس ہوں۔ موٹے مستان کے پاس بھی کچھ نہیں ہے اس وقت۔"

"پولیس والے مجھے کیوں چھوڑ گئے۔ انہوں نے مجھے گرفتار کیوں نہیں کیا؟"

"پتا نہیں۔ وہ تو بس نوید کو پکڑ کر لے گئے۔"

"اور کسی کو بھی گرفتار کیا انہوں نے؟"

"نہیں۔ کسی کو بھی نہیں۔ پولیس والے تمہیں بھی کھینچ رہے تھے۔ مگر انچارج نے انہیں روک دیا۔"

"کتنی دیر ہو گئی انہیں گئے ہوئے؟"

"آدھا گھنٹا ہوا ہو گا۔" رینا کے لہجے میں یقین کی کمی تھی۔ "چلو اٹھو.......... جھونپڑی میں چلیں۔"

"تم جاؤ۔ مجھ سے تو ہلا بھی نہیں جا رہا۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

رینا کے جانے کے بعد مظہر نے ریت اکٹھی کر کے اپنے لیے تکیہ بنایا اور اس پر سر رکھ کر اس زاویے سے لیٹا کہ مستان کی جھونپڑی اس کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ سر کی

چوٹ بہت تکلیف دے رہی تھی۔ وہ سر کو خفیف سی حرکت بھی دیتا تو قیامت گزر جاتی۔ اس نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ خون خشک ہو کر بالوں سے چپک گیا تھا۔

مستان کی جھونپڑی میں اندھیرا تھا۔ عقب کی طرف ریت کی دیوار کی سمت کوئی متحرک نظر آیا۔

"جونی!" مظہر نے اسے پہچان کر پکارا۔

جونی نے غیر محسوس طریقے پر اپنی سمت کچھ بدلی اور ٹھہر گیا۔ "مجو.......... یہ تم ہو۔" وہ اس کی طرف چلا آیا۔ اس کے ہاتھ خالی تھے اور جسم طلب کی شدت سے بری طرح لرز رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے مضطربانہ انداز میں تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ "خدا کی پناہ! میں مر رہا ہوں۔ مستان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو مر جاؤں گا۔ کیا کروں؟"

اس نے کہا، پھر بولا۔ "سنا ہے، تم پولیس والوں سے بھڑ گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں مارا۔"

"ہاں۔ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"تم سے چلا نہیں جا رہا؟"

"نہیں۔ میرا ہلنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔"

"لعنت ہو ان پولیس والوں پر۔ پھر نوید کو پکڑ لے گئے۔" جونی نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کے کندھے یوں لرز رہے تھے جیسے ان میں کرنٹ دوڑ رہا ہو۔

"مستان مال کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

"وہ سوائے تسلی دینے کے کچھ نہیں کرتا۔ کہہ رہا تھا، کل دوپہر سے پہلے مال آجائے گا۔ مگر اس وقت تک تو میں مر چکا ہوں گا۔"

"نہیں، تم زندہ رہو گے۔ فکر نہ کرو۔"

"کاش.......... ایسا ہی ہو۔" جونی نے کہا اور ریتلی دیوار کی طرف واپس چلا گیا۔

مظہر کے سر پر وہ پہلی چوٹ نہیں لگی تھی۔ ایسی چوٹیں وہ بارہا کھا چکا تھا۔ اس نے ساحل پر جاگ کر راتیں بھی گزاری تھیں لیکن اس بار تکلیف زیادہ تھی۔ وہ مستان کی جھونپڑی پر نظر جمائے جاگتا رہا۔ پھر طلوع آفتاب کا وقت قریب آ پہنچا۔ شبنم گری۔ اس کی شرٹ اور جینز بھیگ کر بھاری ہو گئیں۔ اسے سردی لگنے لگی۔ جسم لرزنے لگا۔ اس کی وجہ سے جاگنے میں بھی آسانی ہو گئی۔ کیونکہ یہ وہ وقت تھا، جب جاگنے والے نیند سے

یقینی طور پر ہار جاتے ہیں لیکن تکلیف اور سردی نے مل کر اس کا ساتھ دیا۔ وہ سردی اور تکلیف کی طرف سے دھیان بٹانے کی غرض سے خالد محمود کے بارے میں سوچنے لگا' جو اب سے چند روز بعد مرنے کا خواہش مند تھا لیکن تحقیق کے باوجود اب تک یہ بات ثابت نہیں ہو سکی تھی۔ اس تحقیق کے نتیجے میں مظہر اسے بڑی حد تک سمجھنے لگا تھا لیکن پوری طرح نہیں۔ اسے احساس تھا کہ خالد محمود کھلنے والا آدمی نہیں۔ وہ خود کو چھپا چھپا کر رکھنے کا قائل ہے۔

وہ ریت پر لیٹا اب تک جمع شدہ حقائق کی مدد سے صورت حال کا تجزیہ کرتا رہا۔

پھر آسمان پر سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ رات گزر گئی اور اس نے جونی کے سوا کسی کو مستان کی جھونپڑی کے قریب بھی پھٹکتے نہیں دیکھا تھا اور جونی بھی خالی ہاتھ تھا۔ دوسری طرف مستان بھی اپنی جھونپڑی سے نہیں نکلا تھا۔

پونے نو بج گئے۔ اب اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ ساحل پر محروم لوگ جمع ہونے لگے۔ وہ سب خاموش تھے۔ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے اور بغیر ایک لفظ کے تبادلے کے جان لیتے کہ مستان کو بھی مال نہیں ملا ہے۔ مستان باہر نکلا اور اپنی جھونپڑی کے دروازے پر آسن جما کر بیٹھ گیا۔ کوئی اس کی طرف نہیں بڑھا۔ اس وقت کوئی انجان آدمی دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ نوجوان ساحل پر بیٹھے دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن مظہر کو ان کے چہروں پر' ان کی آنکھوں میں تشویش اور پریشانی واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ وہ مایوس تھے۔ سگریٹ سے سگریٹ جلائی جا رہی تھی۔ ہاتھوں میں لرزش تھی اور بین کرتی ہوئی خاموشی تھی۔

ساڑھے دس بجے نوید واپس آگیا۔ وہ موٹے کپڑے کی ڈھیلی ڈھالی قمیص اور چست جینز پہنے ہوئے تھا۔ وہ آکر ساحل پر ایک طرف اکیلا بیٹھ گیا۔ پھر بوبی' اس کے بعد جونی اور پھر ریمبو ساحل پر آئے۔ مستان اپنی جھونپڑی میں واپس چلا گیا۔

طلب کے اسیر آہستہ آہستہ مستان کی جھونپڑی کے قریب ہونے لگے۔ مظہر کو احساس ہو گیا کہ دکان کھلنے والی ہے۔

پھر کاروبار کا آغاز ہو گیا۔ جبکہ نہ مستان کہیں گیا تھا اور نہ کوئی اس سے ملنے آیا تھا۔ مظہر نے بھی کچھ مال لیا۔ پھر وہ اپنی جھونپڑی میں واپس آکر لیٹا اور لیٹتے ہی سو گیا۔ رات بھر کی بیداری رنگ لا رہی تھی۔

☆======☆======☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ رینا اپنی چٹائی پر بے سُدھ پڑی تھی۔ وہ اتنی گہری نیند سویا تھا کہ اسے رینا کی آمد بھی نہیں جگا سکی تھی۔ پھر اسے رینا کا انداز کچھ غیر فطری سا لگا۔ اس نے اٹھ کر رینا کی نبض دیکھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔ رینا کے بائیں بازو پر ہمیشہ کی طرح انجکشن کی سوئیوں کے نشان تھے۔ مگر اب اس پر ورم بھی تھا۔

وہ مر چکی تھی۔ اس کی موت کا سبب شاید اوور ڈوز تھا۔ مظہر نے جلدی جلدی جھونپڑی سے اس کی موجودگی کی ہر علامت مٹا دی۔ صبح ہو گئی۔ وہ ناشتے سے بے نیاز بیٹھا سوچتا رہا.......... سوچتا رہا۔

☆======☆======☆

پیر کی دوپہر مظہر نے اپنے فلیٹ کا رخ کیا۔ وہ جی بھر کے نہایا۔ غلاظت کا احساس کچھ اتنا ہی شدید تھا۔ باتھ روم سے نکل کر اس نے چائے بنائی اور پیالی سامنے رکھ کر ڈائری کھولی اور قلم سنبھال لیا۔ رینا کی موت کو فراموش کر کے حقائق یکجا کرنا تھے۔

ڈائری مکمل کر کے اس نے گجرات میں اسٹیٹ ایجنٹ سعید کا نمبر ملایا۔ "ہیلو سعید صاحب۔ میں ناظم بول رہا ہوں۔" اس نے رابطہ ملنے پر کہا۔

"کون ناظم؟"

"مجھے جعفری فیملی کے مالی امور کا مشیر سمجھ لو۔ میرا بھی اسٹیٹ کا کاروبار ہے۔"

"کہئے ناظم صاحب' کیسے یاد کیا آپ نے؟"

"خالد صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آپ کے توسط سے کچھ زرعی خرید رہے ہیں۔"

"یہ خالد صاحب کون ہیں؟"

"کمال ہے! آپ خالد صاحب کو نہیں جانتے.......... وہ مختار جعفری صاحب کے داماد ہیں۔"

"اوہ! لیکن میری تو آج تک ان سے ملاقات کجا' بات بھی نہیں ہوئی۔"

"حیرت ہے۔"

"ممکن ہے' ان کا ارادہ ہو اراضی خریدنے کا۔ ان کا فون نمبر کیا ہے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ممکن ہے' کسی اور کے توسط سے زمین خرید رہے ہوں۔" مظہر نے بات گھمائی۔

"ناممکن.......... جعفری فیملی کا کوئی فرد زرعی زمین خریدے گا تو سو دو سو ایکڑ سے

کم نہیں خریدے گا اور یہاں کوئی بڑا سودا میری لاعلمی میں نہیں ہو سکتا لیکن اگر وہ دلچسپی لے رہے ہیں تو میں انہیں بہت اچھی زمین دلوا سکتا ہوں۔"

"میری ایک درخواست ہے سعید صاحب۔" مظہر نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "آپ خالد صاحب کو فون مت کیجئے گا جس وقت انہوں نے یہ بات کی' وہ کچھ نشے میں بھی تھے۔ ایسے میں کہی گئی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے' میں فون نہیں کروں گا لیکن معاملہ تگڑا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ سیریس ہوں تو ان سے میری سفارش ضرور کرنا۔"

"بے فکر رہو' میں تمہارا خیال رکھوں گا۔ خدا حافظ سعید صاحب! شکریہ۔"

ریسیور رکھ کر وہ اب تک کے حقائق کے حوالے سے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسٹیٹ ایجنٹ سعید کی گفتگو نے اسے اور الجھا دیا تھا۔ خالد محمود سے متعلق ہر بات کی جتنی مضبوط تصدیق ہوئی تھی' اتنی ہی زبردست تردید بھی ہوئی تھی۔ اس نے تحقیق اس انداز میں کی تھی کہ خالد محمود کو اس کے متعلق پتا بھی نہ چلے۔ اس نے اس دوران مختلف نام استعمال کیے تھے' مختلف شناختیں استعمال کی تھیں۔ کسی کو شک بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ کرید کرید کر خالد سے متعلق معلومات اگلوا رہا ہے۔

اب تک خالد محمود کی جو تصویر ابھر کر سامنے آئی تھی' وہ کچھ یوں تھی۔ وہ ایک ذہین' صحت مند' توانا اور اولولعزم انسان تھا۔ اپنے حلقے میں' گھرانے میں اور بزنس میں اسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ہر اعتبار سے اچھا اور نفیس آدمی ثابت ہوا تھا۔ اصول پسند' وفا پرست۔ دوستی کرتا تھا تو آخری حد تک نبھاتا تھا۔ اس کی مالی پوزیشن مستحکم تھی۔ ایک بڑی کمپنی کی بقا کا انحصار اس کی زندگی پر تھا۔ وہ بے شمار لوگوں کے لیے بہت زیادہ اہم تھا۔

ڈاکٹر اور اس کے گھر والوں اور قریبی لوگوں کے خیال میں اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ وہ زندگی میں کبھی بیمار نہیں ہوا تھا۔ شراب اور سگریٹ نوشی میں وہ بے اعتدالی سے بچتا تھا۔ گویا اسے اپنی صحت عزیز تھی۔ وہ ٹینس اور اسکواش جیسے کھیل کھیلتا تھا' جن کے لیے جسمانی فٹنس بہت ضروری تھی۔ وہ آزمائشی پروازوں پر جاتا تھا۔ گویا اعصابی طور پر بھی وہ بہت مضبوط تھا۔ اب تک ایسی کوئی شہادت نہیں ملی تھی جس کی رو سے ثابت ہوتا کہ وہ بیوی سے بے وفائی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتا تھا' اس میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ البتہ اس کی بیوی صفیہ نے جس انداز میں

اس کی پزیرائی کی' اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ازدواجی زندگی سے مطمئن ہونے کے باوجود غیر آسودہ ہے اور آسودگی کا امکان نظر آنے پر پیش قدمی سے بھی نہیں جھجکتی۔

سب سے زیادہ الجھاوے خالد محمود کی صحت کے بارے میں تھے۔ انشورنش کمپنی ہر چھ ماہ بعد اس کا مکمل چیک اپ کراتی تھی۔ دوسری طرف اس کے عزیز ترین دوست کا کہنا تھا کہ خالد بہت گہرا آدمی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ واقعی سرطان کے مرض میں مبتلا ہے تو اپنی فطرت کے عین مطابق وہ اپنی بیماری کو راز بنا کر رکھے گا اور اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرے گا۔

دوسری طرف ڈاکٹر اور اس کی اچھی صحت کی تصدیق کرنے والے تمام لوگ نیشنل ایوی ایشن کے شیئر ہولڈرز ہیں اور یہ بات طے ہے کہ خالد کی بیماری کی خبر عام ہو جائے تو کمپنی مالی طور پر تباہ بھی ہو سکتی ہے۔ بزنس پر بہرحال اثر پڑے گا۔ یعنی یہ ممکن ہے کہ انہیں یا ان میں کسی کو خالد کی بیماری کا علم ہو' وہ دانستہ اسے چھپا رہے ہوں۔ ان کے پاس اس کی معقول وجہ تھی۔

اس اعتبار سے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ خالد محمود درحقیقت کینسر کا مریض ہے یا نہیں۔

تحقیق کے نتیجے میں کچھ متضاد باتیں سامنے آئیں ہیں۔ خالد محمود کا کہنا تھا کہ وہ کینسر کا مریض ہے اور چھ ماہ سے زیادہ نہیں جی سکے گا۔ اس کے علاوہ تمام لوگ اس کی صحت کو.......... قابل رشک قرار دیتے تھے۔ دیگر شواہد سے بھی یہی بات ثابت ہوئی تھی۔ صفیہ خالد اور مختار جعفری کا کہنا تھا کہ خالد اپنے والدین سے کٹا ہوا ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہر ڈیڑھ ماہ بعد اپنے والدین سے ملنے جاتا تھا۔ صفیہ خالد اور مختار جعفری نے خالد کو اپنے والدین سے بے زاری اور دوری کی وجہ یہ بیان کی کہ انہوں نے خالد کو باکسنگ پر مجبور کیا جبکہ خالد کے باپ کا کہنا ہے کہ اس نے خالد کو باکسنگ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر خالد کو قائل نہ کر سکا۔ پھر خالد ایک بچی کا باپ ہے لیکن اس نے اپنے والدین کو یہ بات نہیں بتائی۔ خالد کی بیوی' سسر' عزیز ترین دوست اور اسٹاک بروکر اس پر متفق ہیں کہ خالد زرعی زمین خرید رہا ہے' گجرات کے اسٹیٹ ایجنٹ سعید کے توسط سے جبکہ سعید اس کی تردید کرتا ہے۔ وہ نہ کبھی خالد سے ملا ہے' نہ کبھی فون پر اس سے بات ہوئی ہے۔

منطقی انداز میں سوچنے کی صورت میں ان تضادات کی توجیہہ بھی ہوتی تھی اور مظہر

مجید بے حد منطقی انداز میں سوچنے کا عادی تھا۔ وہ ایک بات کو ہر ممکنہ زاویے سے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

خالد کی شخصیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ سرطان کا مریض ہے۔ وہ ایک ہوشیار بزنس مین تھا اور پیٹ کا ہلکا بھی نہیں تھا۔ والدین سے دوری کی بھی ایک معقول وجہ ممکن تھی۔ وہ اکلوتا بیٹا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے والدین کو بہت زیادہ چاہتا ہو اور ان کو اپنی ذمے داری محسوس کرتا ہو۔ وہ جذبۂ وفا سے بھی آشنا تھا۔ اسی لیے وہ والدین سے ملنے باقاعدگی سے جاتا تھا لیکن شاید اسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کے والدین خود کو جعفری فیملی کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر سکیں گے۔ خود کو آؤٹ آف پلیس محسوس کریں گے اور اس نے انہیں شرمندگی اور احساس کمتری سے بچانے کے لیے ایسا بندوبست کیا ہو کہ وہ اس کی شادی میں شریک نہ ہو سکیں۔ اس نے یہی سوچ کر انہیں اپنی بچی کے وجود سے بھی بے خبر رکھا ہو گا کہ وہ یہ سن کر اپنی پوتی سے ملے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ اپنے سسر اور بیوی کو وہ اس کے سوا اور کیا بتا سکتا تھا کہ وہ اپنے والدین کو پسند نہیں کرتا۔

زرعی زمین کی خریداری کے سلسلے میں بھی معقول وجہ موجود تھی۔ خالد کا زمین خریدنے کا ارادہ رہا ہو گا۔ اس نے اس سلسلے میں اپنی بیوی' سسر' دوست اور اسٹاک بروکر سے بات کی ہو گی لیکن اسٹیٹ ایجنٹ سے بات کرنے سے پہلے اسے علم ہو گیا ہو گا کہ وہ کینسر کے پنجے سے نہیں بچ سکے گا۔ ایسے میں اسے زمین کا خیال ترک کر کے نیشنل ایوی ایشن کے معاملات اپنی حد تک سمیٹنے پر مجبور ہو جانا پڑا ہو گا۔ ایسے میں وہ کسی کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس نے زمین خریدنے کا ارادہ چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح اسے اپنی بیماری کے متعلق بتانا پڑتا' جو اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے صفیہ سے کہا ہو گا کہ جمعے کو زمین دیکھنے چلیں گے۔ صرف یہ سوچ کر اسے یقین تھا کہ جمعے کو وہ زندہ ہی نہیں ہو گا۔ اس نے جمعرات کو اپنے قتل کا منصوبہ طے کر لیا تھا۔

یہ سب کچھ اپنی جگہ درست سہی لیکن ایک الجھن تھی۔ خالد محمود کو اگر خود کشی کرنا تھی تو وہ لوگوں کے خدشوں کو حقیقت کا روپ بہ آسانی دے سکتا تھا۔ وہ لوگوں کی توقعات پر پورا اتر سکتا تھا۔ وہ اپنے جہاز کو کریش کر سکتا تھا۔ کسی کو اس پر خود کشی کا شبہ بھی نہ ہوتا۔

مظہر اٹھا۔ اس نے اپنا سامان سوٹ کیس میں پیک کیا۔ اپنا پاسپورٹ بھی رکھ لیا تاکہ

خالد پرویز کو ویزے کے لیے دے سکے۔ پھر وہ فلیٹ سے نکلا اور اپنی موٹر سائیکل پر نیشنل ایوی ایشن کی عمارت کے سامنے پہنچ گیا۔

وہ چار بجے وہاں پہنچا تھا۔ اس نے آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ لگا لیا تھا۔ اس طرح یہ امکان محفوظ حد تک کم ہو گیا تھا کہ خالد اسے پہچان لے گا۔ ویسے خالد کو توقع بھی نہیں ہو گی اسے دیکھنے کی۔ یہ بات بھی اس کے حق میں جاتی تھی۔

پونے پانچ بجے اس نے خالد کی سیاہ مرسڈیز کو عمارت سے نکلتے دیکھا۔ خالد خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ مظہر نے موٹر سائیکل اس کی گاڑی کے پیچھے لگا دی۔ اسے یاد تھا' صفیہ نے بتایا تھا کہ پیر اور بدھ کو خالد دفتر میں دیر تک مصروف رہتا تھا اور عموماً بارہ بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچتا تھا لیکن پیر ہونے کے باوجود خالد دفتر سے پونے پانچ بجے نکل آیا۔ ایک اور تضاد!

مرسڈیز کا رخ خیابان سے متصل اس علاقے کی طرف تھا' جہاں جدید ترین اپارٹمنٹ ہاؤس واقع تھے۔ بیس منٹ بعد مرسڈیز ایسے ہی ایک اپارٹمنٹ ہاؤس کے گیٹ سے گزری اور پارکنگ ایریا میں روک دی گئی۔ مظہر نے موٹر سائیکل باہر کھڑی کی اور بڑے سرسری انداز میں خود بھی اندر داخل ہو گیا۔

خالد گاڑی لاک کرنے کے بعد عمارت میں داخل ہوا اور لفٹ کی طرف بڑھا۔ لفٹ میں وہ اکیلا تھا۔ مظہر لفٹ کے سامنے کھڑا رہا۔ چند لمحے بعد اسے پتا چل گیا کہ خالد تیسری منزل پر پہنچا ہے۔ تیسری منزل پر صرف دو فلیٹ تھے' جن کے دروازے آمنے سامنے تھے۔ ایک دروازے پر کرنل ظفر انصار کے نام کی اور دوسرے پر مسز نگینہ رشید کے نام کی تختی لگی تھی۔ قوی امکان یہی تھا کہ خالد مسز نگینہ کے فلیٹ میں ہی گیا ہو گا۔ مظہر نیچے اترا۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔ اس نے باہر نکل کر اپنی موٹر سائیکل سنبھالی..........

☆=======☆=======☆

سات بجے وہ آوارہ گرد مجو کے روپ میں ساحل پر موجود تھا۔ نشے بازوں کی غیر سرکاری بستی کے بیشتر مکین ساحل پر چھوٹے چھوٹے گروپوں کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے فرداً فرداً ہر ایک سے نوید کے متعلق پوچھا' جو کہیں نظر نہیں آ رہا تھا لیکن کسی سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ وہ مستان کی جھونپڑی کی طرف گیا۔

"رینا کہاں ہے؟" مستان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"وہ تو چلی گئی۔" مظہر نے جواب دیا۔

مستان کی مہربان آنکھوں میں تفکر سا جھلکا۔ "کہاں؟"

"آسمانوں پر جو چاکلیٹ کی دکان ہے وہاں۔" مظہر نے جواب دیا۔

مستان خاموش ہو گیا۔ مظہر نے اس سے نوید کے بارے میں پوچھا۔ مستان نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔

مظہر باہر نکلا تو جونی پر نظر پڑ گئی۔ "نوید کہاں ہے؟" مظہر نے دریافت کیا۔

"وہ تو چلا گیا۔"

"کہاں؟"

"میرا خیال ہے' وہ پولیس کے ہاتھوں پٹتے پٹتے تنگ آ گیا ہو گا۔ اسی لیے اس نے کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈ لیا۔"

"یہ بات اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو تم؟"

"نہیں ڈھونڈا تو ڈھونڈ لینا چاہیے۔ یوں آئے دن پٹتے رہنا تو حماقت ہی ہو گی۔ یہ بتاؤ' رینا کہاں ہے؟"

"وہ بھی چلی گئی۔"

"اس کا حال اچھا نہیں تھا۔ اسے تو بہت دور جانا تھا' آسمانوں پر۔" جونی نے آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

اسی لمحے مستان جھونپڑی میں سے نکلا اور ان دونوں کی طرف چلا آیا۔ "رینا کہاں ہے؟" اس نے مظہر سے پوچھا۔

"میں نے بتایا نا' چلی گئی۔ کل اس نے تم سے خاصا مال خرید لیا تھا۔ اسی لیے بے فکر ہو کر چلی گئی۔"

موٹا مستان اسے گھورتا رہا لیکن اس کی نگاہوں میں نرمی اور ٹھنڈک تھی۔ "تم نوید کو کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟"

"رینا نے اس کے لیے ایک پیغام چھوڑا تھا۔ وہ اسے دینا تھا۔" مظہر نے جواب دیا۔

"کیا پیغام ہے؟"

"پیغام تو نوید ہی کے لیے ہے۔" مظہر نے کہا اور اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔

اس نے سونے کی کوشش کی لیکن رینا کی صورت اس کی نگاہوں میں پھرتی رہی۔ وہ اس کی کمی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

نہ جانے کس وقت جھونپڑی کے قریب قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ مظہر اٹھ ہی

رہا تھا کہ دروازے میں ایک پولیس والے کا ہیولا ابھرا۔ وردی کی وجہ سے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ "اٹھ جاؤ۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" پولیس والے نے کہا۔ اس کے پیچھے دوسرا پولیس والا بھی جھونپڑی میں داخل ہوا۔

"آج کیا دن ہے؟" مظہر نے پوچھا۔

"منگل ہے۔ اب اٹھ جاؤ۔"

"کیوں؟"

"انچارج صاحب تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو چلو۔ مجھے کوئی تیاری نہیں کرنی۔" مظہر کھڑا ہو گیا۔

پونے سات بجے صبح وہ تھانے میں انسپکٹر رفیق کے روبرو کھڑا تھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟" انسپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مجو۔"

"پورا نام بتاؤ۔"

"مظہر مجید بٹ۔"

وہ انسپکٹر کے کمرے میں اکیلا تھا۔ انسپکٹر نے کہا: "یہ نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"ساحل والی جھونپڑی میں تم اکیلے رہتے ہو؟"

"نہیں' ایک پالتو لال بیگ بھی میرے ساتھ رہتا ہے۔"

"اور تم کرتے کیا ہو؟"

"بوٹ پالش۔"

"لیکن تمہاری جھونپڑی میں بوٹ پالش کا سامان تو نہیں نکلا۔" انسپکٹر نے اعتراض کیا۔

"کسی نے چرا لیا ہو گا۔ واپس جانے سے پہلے میں چوری کی رپورٹ درج کرا دوں گا۔"

"مظہر صاحب' آپ کو اپنے دفتر سے رابطہ یکسر منقطع نہیں کرنا چاہیے تھا۔" انسپکٹر نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں!"

"آپ کی ایڈیٹر مس سارہ جمیل نے فون کر کے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ آپ

ساحل پر منشیات فروشی کے موضوع پر فیچر کے لیے تحقیق کر رہے ہیں۔" انسپکٹر کے لہجے میں اب احترام تھا۔ "مس سارہ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کامیابی کے بہت قریب پہنچ چکے ہیں۔ مجھے بتائیے' آپ نے کیا کچھ معلوم کیا اب تک۔"

"کچھ بھی نہیں۔ سارہ بکواس کرتی ہے۔"

"آپ کی جھونپڑی میں ایک لڑکی رینا بھی رہتی تھی۔"

"رہتی تھی' اب نہیں رہتی۔"

"کہاں گئی وہ؟ کیسے گئی؟"

"ترتیب سے جواب سن لیں۔ نہ جانے کہاں گئی۔ اتوار کی رات' ایک کار والے سے لفٹ لے کر گئی۔"

"اور تمہاری جھونپڑی سے ہمیں ہیروئن بھی ملی ہے۔" انسپکٹر کا لہجہ پھر خراب ہو گیا۔

"آپ نے سرچ وارنٹ کے بغیر تلاشی کیوں لی؟"

"تلاشی نہیں لی گئی۔ اتفاقاً ہی پڑیا نظر آ گئی تھی اور تم جانتے ہو کہ یہ جرم ہے۔"

"میں نے ثبوت کے طور پر وہ ہیروئن خریدی تھی۔"

"کس سے خریدی تھی؟"

"موٹے مستان سے۔"

"تو آپ کا کام ختم ہو گیا۔ آپ کو واپس جانا چاہیے تھا۔"

"میں کچا کام نہیں کرتا۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ موٹے مستان کو منشیات کون سپلائی کرتا ہے۔"

"یہ کام ہمارا ہے' تمہارا نہیں' اور کان کھول کر سن لو صحافی' میں اب ایک لمحے کے لیے بھی تمہیں اپنے علاقے میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے اس رات گرفتار کیوں نہیں کیا گیا' جب میں نے باوردی پولیس والوں کو زدوکوب کیا تھا؟"

"اس وقت ہماری توجہ صرف اپنے قیدی پر تھی۔ ہم کوئی ہنگامہ نہیں چاہتے تھے اور تم نے سات میں سے تین پولیس والوں کو زخمی کر دیا تھا۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔ کیا تم گرفتار ہونا چاہتے تھے؟"

"مجھے ایسے احمقانہ شوق لاحق نہیں ہیں۔" مظہر نے سرد لہجے میں کہا۔

"دیکھو مظہر' میں تم کو دو ہدایات دے رہا ہوں اور تمہیں دونوں پر عمل کرنا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اب تک جو ثبوت حاصل کیے ہیں' وہ ہمیں دے دو اور دوسری بات یہ کہ ساحل چھوڑ دو اور واپس ہرگز نہ آنا۔ جواب دو' میری باتیں مانو گے؟"

"میرے پاس ثبوت کوئی نہیں۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ تم مجھ سے خوف زدہ کیوں ہو؟"

"میں تم سے کیوں خوف زدہ ہونے لگا۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

"ہم خود ساحل پر منشیات کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں۔ مجھے اپنے کام میں مداخلت قطعی ناپسند ہے۔ اگر تم دوبارہ اس علاقے میں نظر آئے تو تمہیں عدالت میں کھڑے ہو کر کئی جرائم کے سلسلے میں جواب دہی کرنا ہو گی۔ تم نے سرکاری کام کے دوران باوردی اہل کاروں کو زدوکوب کیا۔ تمہارے پاس سے ہیروئن برآمد ہوئی۔ آگے جانو۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر۔ تم نے مجھے قائل کر دیا۔ اب اجازت۔"

☆======☆======☆

مظہر تھانے سے واپس آیا ہی تھا کہ خالد محمود پہنچ گیا۔ مظہر اس کے ساتھ اس کی سیاہ مرسڈیز میں جا بیٹھا۔

"تم تھانے میں کیا کر رہے تھے؟" خالد نے پوچھا۔

"مجھے پوچھ گچھ کے لیے لے جایا گیا تھا۔" مظہر نے بتایا۔ "ایک لڑکی رینا غائب ہو گئی ہے۔ وہ میرے ساتھ رہتی تھی۔ آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"میں پہلے بھی یہاں آیا تھا۔ تمہارے ایک ساتھی سے پتا چلا کہ تمہیں پولیس لے گئی ہے۔" خالد نے ڈیش بورڈ لائٹر کو نظر انداز کر کے اپنے طلائی لائٹر سے سگریٹ سلگائی اور تلخ لہجے میں بولا۔ "کیسی زندگی گزار رہے ہو تم؟"

"تبھی تو تم مجھ سے اتنا اہم کام بھی لے رہے ہو۔" مظہر نے بے تکلفی سے کہا اور پاسپورٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تم اب بھی قتل ہونا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔"

"تم واقعی کینسر کے مریض ہو؟"

"ظاہر ہے۔"

"دیکھنے میں تو ایسا نہیں لگتا۔"

"مجھ جیسے لوگ بیمار ہوتے ہوئے بھی بیمار نظر نہیں آتے۔"

"میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔ تم ٹیسٹ پائلٹ ہو۔ جہاز کو کریش کر کے بہ آسانی مر سکتے ہو۔ تم نے میری خدمات کیوں حاصل کیں؟"

"تم جذبۂ افتخار کو شاید سمجھ ہی نہیں سکتے۔ میں نے خطرناک سے خطرناک موقع پر اپنے جہاز کو کریش نہیں ہونے دیا۔ میرا ریکارڈ بے داغ ہے اور مجھے اس پر فخر ہے۔ میں مرتے مرتے اپنے دامن پر داغ نہیں لگانا چاہتا۔"

"بڑا مہنگا جذبہ ہے۔ قیمت پچاس ہزار روپے۔"

"اس جذبے کے لیے لوگ لاکھوں خرچ کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔ بعض اوقات جان بھی دے دیتے ہیں۔ اب بتاؤ، تمہیں یاد ہے کہ تمہیں کیا کچھ کرنا ہے؟"

مظہر نے پورا پروگرام دہرا دیا۔

خالد اثبات میں سر ہلاتا رہا۔ پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ فلائٹ نمبر یاد رکھنا۔ ٹکٹ تمہیں سوئس ائیر کے کاؤنٹر پر ملے گا۔"

"مجھے فلائٹ نمبر یاد ہے۔"

خالد نے مظہر کو دوبارہ ساحل پر لا کر اتار دیا۔

☆======☆======☆

مظہر نے مسز نگینہ کے فلیٹ میں کال بیل بجائی۔ دروازہ ایک خاتون نے کھولا۔ اس کی عمر ۳۵ سال سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ صورت شکل کے اعتبار سے اسے گورا قرار دیا جا سکتا تھا۔ "جی........ فرمایئے؟" اس نے کہا۔

"میرا تعلق اپارٹمنٹ ہاؤس کی انتظامیہ سے ہے۔" مظہر نے بتایا۔

"اپنی شناخت کرا سکتے ہیں؟"

"خاتون اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس انداز میں ہرگز بات نہ کرتا۔" مظہر نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس عمارت کے کئی مکینوں نے انتظامیہ سے آپ کی شکایت کی ہے۔ میں ان الزامات کی تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"کیسے الزامات؟" خاتون نے کہا۔ پھر اس نے ایک طرف ہٹ کر مظہر کو اپارٹمنٹ میں داخل ہونے کا راستہ دیا۔ مظہر نے فوراً ہی ایک کرسی پکڑ لی۔ "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" نگینہ نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

مظہر نے اپنی جیب سے نوٹ بک نکالی اور قلم کھول لیا۔ "دیکھئے مسز نگینہ! اس عمارت میں شرفا رہتے ہیں۔ ان کے ہاں بچے بھی ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ آپ کی وجہ سے ان کے بچوں کے اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔"

"خدا کی پناہ!"

"آپ گزر بسر کے لیے کچھ کرتی بھی نہیں ہیں۔"

"تو اس سے آپ کو یا میرے پڑوسیوں کو کیا مطلب؟"

"مطلب تو ہے۔ اس صورت حال میں آپ پڑوسیوں کے لیے کوئی اچھی مثال تو قائم نہیں کر سکتیں۔" مظہر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"ہمارے اپارٹمنٹس کی ایک ساکھ ہے۔ ہم اسے تباہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دے سکتے۔"

"میں یہ بکواس نہیں سننا چاہتی۔ آپ فوراً نکل جائیں یہاں سے۔" نگینہ کھڑی ہو گئی۔ اس کا جسم غصے سے لرز رہا تھا۔

"بیٹھ جایئے خاتون۔ یہ بتایئے کہ آپ خالد محمود کو کب سے جانتی ہیں؟"

نگینہ یوں ڈھے گئی، جیسے اس کے پیروں میں جان ہی نہ رہی ہو۔ "آپ کو خالد کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟ اسے گھسیٹنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"تو پھر اعتراف کر لیں اور سب کچھ بتا دیں۔ آپ اس اپارٹمنٹ کو غلط طور پر استعمال کر رہی ہیں نا؟"

"میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" وہ بڑبڑائی۔

"آپ یہ چاہتی ہیں کہ خالد محمود کا نام اخباروں کی زینت بنے اور وہ بھی اس طرح۔ اگر آپ نہیں مانیں گی تو بات بڑھے گی سوچ لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں سب کچھ بتا دیتی ہوں لیکن خدا کے لیے خالد کی رسوائی نہ ہو۔"

"بتایئے۔ میں کوشش کروں گا کہ اس معاملے کی تشہیر نہ ہو۔"

"میرے شوہر نیشنل ایوی ایشن میں ٹیسٹ پائلٹ تھے۔ ایک حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی موت کے بعد خالد محمود نے احساس ذمے داری کے تحت مجھے سہارا دیا۔ یہ اپارٹمنٹ بھی انہوں نے ہی لے کر دیا ہے۔"

"وہ ہفتے میں دو بار آپ سے ملنے آتے ہیں؟"

"سب کچھ معلوم ہے تمہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے پڑوسی اتنے کامیاب جاسوس ہیں۔"

"پیر اور بدھ؟" مظہر نے پوچھا۔ نگینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "آپ خالد محمود سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مجھے ان کی پوزیشن کا احساس ہے۔ انہوں نے جو کچھ میرے لیے کیا ہے' وہی بہت ہے۔"

"خالد صاحب کی صحت کیسی ہے؟"

"بہت اچھی۔"

"حال ہی میں انہوں نے آپ سے یہ تو نہیں کہا کہ اگلے ہفتے سے وہ آپ کے پاس آنا چھوڑ دیں گے؟"

نگینہ نروس تھی۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ سوالات کی نوعیت تبدیل ہو رہی ہے' اس نے جواب دیا۔ "نہیں' یہ کیوں کہیں گے وہ۔"

مظہر نے اپنی نوٹ بک بند کی اور قلم جیب میں رکھ لیا۔ اس نے نوٹ بک میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔ "شکریہ خاتون۔ میں انتظامیہ کو آپ کے متعلق اچھی رپورٹ دوں گا۔ ہم آپ کے پڑوسیوں کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"شکریہ۔" نگینہ نے کہا۔ وہ اسے رخصت کرنے دروازے تک آئی۔

☆=====☆=====☆

مظہر لنچ کے وقفے کے بعد دفتر پہنچا۔ نجمی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ مظہر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "مظہر مجید صاحب؟" دوسری طرف سے کسی نے پوچھا۔

"جی ہاں.......... بول رہا ہوں۔"

"میں وکیل غفار بول رہا ہوں۔ آپ نے مجھے جعلی چیک دے کر اچھا نہیں کیا۔ آپ کا تو اس بینک میں اکاؤنٹ تک نہیں ہے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا' اسے دس دن بعد کیش کرانا۔" مظہر نے غرا کر کہا۔

"میں نے اسے کیش کرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ احتیاطاً بینک سے تصدیق کرانا ضروری سمجھا تھا۔ سو وہ احتیاط کام آگئی۔ اب تو آپ کو عدالت میں پیش ہونا ہی پڑے گا۔ میں آپ کو خوب کھنچواؤں گا۔"

"بات یہ نہیں غفار صا.........."

"آپ سنیں میری بات۔ میں نے آپ کے خلاف کیس فائل کر دیا ہے۔ سمن جاری ہو رہے ہیں آپ کے' ہفتے کو آپ سے عدالت میں ملاقات ہو گی۔"

"ہفتے کو تو ممکن نہیں۔ مجھے بیسٹ جرنلسٹ آف دی ایئر کا ایوارڈ ملا ہے۔ تقسیم انعامات کی تقریب میں شرکت کرنا ہے مجھے۔ اس کے علاوہ ایک اور قرض کے سلسلے میں مجھے ایک اور عدالت میں پیش ہونا ہے۔"

"مجھے اور قانون کو اس کی کوئی پروا نہیں۔ آپ نہیں پہنچے تو اور بہتر ہو گا۔ آپ کے وارنٹ جاری ہو جائیں گے۔ گرفتاری کی صورت میں مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

"شکریہ لائر۔ ویسے لائر جھوٹے ہی کو کہتے ہیں نا۔" مظہر نے کہا اور جواب سنے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

کچھ دیر بعد اس کے ایڈیٹر انچیف نجمی کا بلاوا آگیا۔ "کیا چکر ہے مظہر مجید؟" نجمی نے سنگین لہجے میں پوچھا۔

"سارہ جمیل نااہل بھی ہے اور احمق بھی۔ وہ اس قدر بے وقوف ہے کہ صحافت سکھائی جائے تو وہ سیکھ بھی نہیں سکتی۔"

"وہ تمہاری باس ہے۔"

"اس سے اس کی نااہلی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس نے مجھے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اب بھی ممکن ہے کہ میں اس کی وجہ سے مارا جاؤں۔"

"وضاحت کرو اس بات کی۔"

"میں ساحل پر منشیات فروشی کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں.........."

"اور اتنے نااہل ہو کہ طویل عرصہ لگانے کے باوجود فیچر مکمل نہیں کر سکے۔" نجمی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"سارہ نے خیابان تھانے کے انچارج انسپکٹر رفیق کو مطلع کر دیا کہ میں اس سلسلے میں کام کر رہا ہوں۔" مظہر نے بھی گویا سنی ان سنی کر کے کہا۔

"تو اس میں کیا برائی ہے؟ اس نے اس طرح تمہیں تحفظ فراہم کیا۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ میرے خیال میں انسپکٹر رفیق ہی ساحل پر منشیات کی سپلائی کا اصل ذریعہ ہے۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو۔" نجمی نے احتجاج کیا۔ "میں انسپکٹر رفیق کو جانتا ہوں۔ وہ

اچھا آدمی ہے۔"

"میں کہہ رہا ہوں' وہ منشیات سپلائی کرتا ہے۔" مظہر نے زور دے کر کہا۔

"مظہر مجید' میں تم سے یہ اسائنمنٹ واپس لے رہا ہوں' تم نے اتنا وقت صرف کیا مگر نتیجہ صفر۔"

"اس صورت میں اپنا فیچر کسی اور اخبار کو دے دوں گا۔ اگر ایسا ہوا تو میں اس میں یہ بات بھی لکھ دوں گا کہ تم نے اسے چھاپنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"تمہارا گزشتہ فیچر بھی پولیس کے خلاف تھا۔"

"یہ محکمہ ہے ہی اس قابل۔ انسپکٹر رفیق منشیات سپلائی کرتا ہے۔"

"کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"وہ بھی فیچر کے ساتھ شائع ہو گا۔"

"تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"اس نے مجھ پر پابندی لگا دی ہے کہ میں اس کے علاقے میں' یعنی ساحل پر نظر نہ آؤں۔ اگر صبح میں اسے بتا دیتا کہ میں کس نتیجے پر پہنچا ہوں تو وہ یقیناً مجھے قتل کر دیتا۔ اب بھی اسے شبہ ہو گیا تو میرا یہی حشر ہو گا۔ میں نے سارہ کو منع کیا تھا کہ پولیس سے رابطے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"سارہ نے مجھ سے مشورہ کیا تھا اور میں نے ہی اسے یہ ہدایت دی تھی۔"

"جس نے بھی کی' حماقت تو حماقت ہی کہلائے گی۔ مجھے کوئی خطرہ ہوتا تو میں خود پولیس سے تحفظ طلب کر لیتا۔ تم لوگوں کو میری فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

"جس وقت تم نے سارہ کو منع کیا' تمہیں انسپکٹر رفیق پر شبہ تھا تو تم نے سارہ کو بتایا کیوں نہیں؟"

"اس وقت مجھے انسپکٹر پر ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔"

"دیکھو مظہر' سارہ کو تم سے شکایتیں ہیں۔ تم اس سے بدتمیزی کرتے ہو۔ اسے کبھی علم نہیں ہوتا کہ کس وقت تم کہاں ہو۔ تم کام چھوڑ کر فضولیات میں پڑے رہتے ہو اور اس کی ایک نہیں سنتے۔"

"اسی لیے اس نے میری موت کا سامان کر دیا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔" مظہر نے چڑ کر کہا۔

"خواہ مخواہ کی بہتان تراشی کر رہے ہو۔ سارہ نے دانستہ ایسا نہیں کیا اور پھر مجھے تو

یقین ہی نہیں کہ انسپکٹر رفیق کے بارے میں تمہارا اندازہ درست ہے۔"

"میں سارہ کی ماتحتی میں کام نہیں کر سکتا۔ اسے کسی اور کی زندگی اجیرن کرنے کا موقع بھی دو۔ میری جان بخشو۔"

"یہ ناممکن ہے۔ تمہیں اس کے ساتھ کام کرنا ہے۔" نجمی کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ "تمہاری تو نوکری بھی کچے دھاگے سے بندھی ہوئی ہے۔"

"تمہاری کثیر اشاعت میں میرا بھی حصہ ہے۔"

"اگر ایوارڈ کا چکر نہ ہوتا تو میں اسی وقت تمہیں نکال دیتا۔" نجمی نے کہا۔ "اور یہ بھی بتا دو کہ فیچر کب ملے گا مجھے؟"

"بہت جلد۔"

"اور ایوارڈ وصول کرنا بھی نہ بھولنا۔ ورنہ اس ماہ کی تنخواہ تمہاری آخری تنخواہ ہو گی۔"

"اور کچھ؟"

"ہاں۔ اپنے قرض خواہوں کو بھی دفتر سے دور رکھو۔"

"اوکے سر۔"

☆======☆======☆

اس بار ٹینس کلب کے ویٹر نے اسے پہچان لیا۔ "آپ چوہدری صاحب سے ملنے آئے ہیں؟"

"نہیں۔ میں محترمہ صفیہ خالد کے پاس آیا ہوں۔" مظہر نے جواب دیا۔

"وہ کورٹ نمبر تین میں کھیل رہی ہیں۔ ریلنگ کے پاس ایک میز خالی ہے۔ آپ تشریف رکھیے۔ میں چائے لاتا ہوں آپ کے لیے۔"

مظہر ریلنگ کے پاس والی میز پر جا بیٹھا۔ صفیہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ اسے کھیلتے دیکھتا رہا۔ صفیہ کا کھیل بہت اچھا تھا۔ مگر اس میں ایک کمی تھی۔ وہ پروفیشنلز کی طرح کھیل رہی تھی لیکن انداز سے بے زاری ہویدا تھی۔ جیسے وہ بڑی بوریت سے بچنے کے لیے چھوٹی بوریت قبول کر رہی ہو۔

صفیہ گیم کے بعد کورٹ سے نکلی تو اس کی نظر مظہر پر پڑی۔ مظہر اٹھ کھڑا ہوا۔ صفیہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔ "ارے نادر صاحب.......... مجھے خوشی ہے کہ آپ نہیں گئے۔"

"ہاں۔ ایک کام کے سلسلے میں رکنا پڑ گیا۔ میں نے سوچا' آپ سے بھی مل لوں۔"

"تو پہلے ہی فون کر لیتے۔"

"مجھے منگل کا انتظار تھا۔ آپ نے بتایا تھا کہ خالد منگل کا دن آپ کو دیتا ہے۔ دفتر میں دیر تک نہیں بیٹھتا۔"

صفیہ ہنسنے لگی۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے' اس وقت تو خالد آفس میں ہی ہوں گے۔" اس کے لہجے میں دعوت تھی۔

مظہر نے اس بار بلاوے کا جواب اثبات میں دیا۔ "میں یہاں پردیسی ہوں۔ مجھے یہاں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

"ساحل پر ہمارا کاٹیج ہے۔ میں آپ کو دکھاؤں گی۔ وہاں سوئمنگ پول بھی ہے' آپ کو سوئمنگ سے شغف ہے؟"

"ہے......... لیکن تنہا نہیں۔"

صفیہ کے رخسار تمتما اٹھے۔ "تو چلیے میرے ساتھ۔"

کاٹیج پہنچ کر انہوں نے کچھ وقت ساتھ گزارا۔ پھر دونوں سوئمنگ کے لیے نکل آئے۔ مظہر صرف شورٹس پہنے ہوئے تھا۔ صفیہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" مظہر نے پوچھا۔

"تمہارے جسم کی بناوٹ ہو بہو خالد جیسی ہے۔" صفیہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"قد' کاٹھ' جثہ' کندھے' بازوؤں کی لمبائی۔ سب کچھ خالد جیسا ہے۔ پشت کی طرف سے دیکھ کر تو میں بھی تم پر خالد کا دھوکا کھا جاؤں۔"

"حیرت ہے!"

"صورتیں جدا جدا ہیں۔ بالوں کے رنگ کا بھی فرق ہے۔ تمہارے بال سیاہ ہیں جبکہ خالد کے بال گہرے براؤن ہیں۔"

مظہر ساڑھے آٹھ بجے کاٹیج سے رخصت ہوا۔ شیڈول کے مطابق ٹھیک اڑتالیس گھنٹے بعد اسے صفیہ کے شوہر خالد محمود کو قتل کرنا تھا۔

☆======☆=====☆

بدھ کی صبح مظہر ساحل پر پہنچا لیکن وہ بے حد محتاط تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انسپکٹر رفیق نے اس کے سلسلے میں اپنی نفری کو خصوصی ہدایات دی ہوں گی۔ دیکھتے ہی گرفتار کرنے کی

ہدایات۔ درحقیقت دونوں ایک دوسرے سے ڈرے ہوئے تھے۔ انسپکٹر اس کی ریسرچ سے خائف تھا اور وہ انسپکٹر سے اس لیے خوفزدہ تھا کہ انسپکٹر کے پاس اس کے خلاف اچھا خاصا مواد تھا گرفتاری کے لیے۔

خوش قسمتی سے نوید اسے ساحل پر ہی مل گیا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔" اس نے نوید کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور اسے لے کر اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔ جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی اس نے نوید کو ریتا کی موت کی اطلاع دی۔

"ارے......... کب؟"

مظہر نے پوری قوت سے اس کے منہ پر گھونسا رسید کیا' وہ اچھل کر پیچھے جا گرا۔ اس کی رنگت زرد ہو گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ مظہر کو اندازہ ہو گیا کہ لڑکے کی زندگی میں کبھی مرمت نہیں ہوئی ہے۔ جبکہ وہ ہر دس پندرہ دن بعد تھانے لے جایا جاتا تھا۔

"ریتا کی موت کی وجہ سے بات بگڑ گئی ہے اور اس کی موت کے ذمے دار تم ہو نوید۔ اور یہ بھی سن لو کہ پولیس تن دہی سے تفتیش کر رہی ہے۔ موٹے مستان کو انہوں نے توڑ لیا ہے۔ وہ سرکاری گواہ بننے والا ہے۔"

"لعنت ہو۔"

"اس نے مجھے دستخط شدہ تحریری بیان دیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ انسپکٹر رفیق منشیات سپلائی کرتا ہے۔ اس کے بیان میں تمہاری ڈھیلی قمیص کا حوالہ بھی شامل ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ تو محض بیچنے والا ہے۔ اس نے ساری ذمے داری تم پر ڈال دی ہے۔"

نوید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں معصومیت تھی۔ "ہرگز نہیں۔ میں تو صرف بیچ کا آدمی ہوں۔"

"بہرحال' موٹے مستان نے تو ساری ذمے داری تم پر ڈال دی ہے۔ اس نے بیان پر دستخط بھی اپنے اصلی نام سے کیے ہیں۔ کیا نام ہے؟ ذہن سے نکل رہا ہے۔"

"آفاق بشیر۔"

"ہاں' اسی نام سے کیے ہیں دستخط۔"

"اس کا بیان کہاں ہے؟"

"میں بے وقوف نہیں ہوں کہ بیان جیب میں ڈال کر یہاں آ جاتا۔ دیکھو نوید' میں

تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔" مظہر نے ایک کاغذ نکالا اور قلم کھول کر بیٹھ گیا۔ "تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔ تم نوجوان ہو۔ تمہارا مستقبل تباہ نہیں ہونا چاہئے۔ میں ایک اخبار کی نمائندگی کرتا ہوں۔ تم اقبالی بیان پر دستخط کر دو۔ سب کچھ سچ سچ بتا دو۔ میں تمہیں بچالوں گا۔"

"تم رپورٹر ہو؟"

"ہاں۔ میں روزنامہ طالع کا رپورٹر ہوں۔"

نوید کچھ دیر سوچتا رہا' پھر بولا۔ "اسی لیے مجھے تم اپنے جیسے کبھی نہیں لگے۔" وہ پھر سوچنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے پوچھا۔ "اگر میں ایسا نہ کروں تو کیا جیل جاؤں گا؟"

"ظاہر ہے۔"

"لیکن میں جیل جانا نہیں چاہتا۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔ تم لکھ لو۔ پھر میں دستخط کر دوں گا لیکن انسپکٹر رفیق مجھے جان سے مار دے گا۔ میں اسی سے مال لے کر موٹے مستان کو پہنچاتا تھا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ نارکوٹکس کنٹرول والے تمہیں تحفظ فراہم کریں گے۔ میں تو صرف انسپکٹر رفیق کو انجام تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ تفصیل سے بتاؤ سب کچھ۔"

نوید کچھ دیر ہچکچاتا رہا۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ "ہر دس بارہ دن کے بعد مجھے انسپکٹر رفیق کے حکم پر تھانے لے جایا جاتا ہے۔ اس ہفتے کا تماشا تو تم نے دیکھا ہی تھا۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔ تم پولیس والوں سے کیوں الجھے تھے؟"

"میں گرفتار ہونا چاہتا تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ تھانے میں تم پر کیا گزرتی ہے۔ اب یہ بات تم خود ہی بتا دو۔"

"انسپکٹر مجھے اپنے کمرے میں بلواتا ہے اور پھر دروازہ بند کر لیتا ہے۔ بظاہر وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرتا ہے مگر درحقیقت میں اسے رقم دیتا ہوں اور وہ مجھے منشیات دیتا ہے۔ کبھی کبھی مجھے رات بھر حوالات میں بند بھی رکھا جاتا ہے۔"

"اسے کیسے معلوم ہوتا ہے کہ تم رقم لے کر آرہے ہو اور مستان کے پاس مال ختم ہو گیا ہے؟"

"میں اس صبح اپنی ڈھیلی قمیص پہن کر اس کے دفتر کی کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس طرح اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ آج مجھے اٹھوانا ہے۔"

"عام طور پر اس کے لیے کتنی رقم لے کر جاتے ہو؟"

"اوسطاً بیس ہزار روپے۔"

"رقم کیسے پہنچاتے ہو؟"

"ڈھیلی قمیص کے نیچے منی بیلٹ میں رقم ہوتی ہے۔ مال بھی اسی بیلٹ میں رکھ کر مستان تک پہنچاتا ہوں۔ بیلٹ میں مستان کی جھونپڑی کے پیچھے ڈال دیتا ہوں۔ وہ فوراً ہی اٹھالیتا ہے۔"

"تمہیں کیا ملتا ہے؟"

"صرف ضرورت بھر ہیروئن' اس کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔"

"مستان کبھی ساحل سے دور نہیں جاتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"وہ ڈرتا ہے کہ کوئی اسے لوٹ نہ لے۔ ہر نشے باز جانتا ہے کہ اس کے پاس رقم اور مال دونوں چیزیں ہو سکتی ہیں' کم از کم ایک تو ضرور ہو گی۔"

"وہ تمہیں رقم کیسے دیتا ہے؟"

"میں ہیروئن خریدنے کے بہانے اس کے پاس جاتا ہوں تو منی بیلٹ تیار ملتی ہے۔ میں قمیص کے نیچے بیلٹ باندھ کر باہر آتا ہوں اور خیابان تھانے کا رخ کرتا ہوں۔"

"انسپکٹر ہمیشہ بند کمرے میں تم سے ملتا ہے؟" مظہر نے پوچھا۔ نوید نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "تمہارے خیال میں کوئی اور پولیس افسر اس راز سے واقف ہے؟"

"نہیں۔ وہ سارے کے سارے ڈفر ہیں۔"

"کسی کو بھی تم پر شک نہیں ہوا؟"

"نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسپکٹر میرے والد کی وجہ سے خاص طور پر مجھے اس لعنت سے بچانا چاہتا ہے۔ کچھ مجھے مخبر سمجھتے ہیں۔"

"یہ سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟"

"تقریباً چار سال سے۔"

"اور تمہاری عمر کیا ہے؟"

"سترہ سال۔"

"تم اس چکر میں پھنسے کیسے؟"

"مجھے اسکول کے ایک لڑکے نعیم نے ہیروئن کی لت لگائی تھی۔ میں اسی سے ہیروئن لیتا تھا۔ مگر مجھے مستان کے متعلق معلوم تھا۔ پھر نعیم ایک حادثے میں مر گیا تو میرے پاس مستان سے ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ ایک دن ساحل سے پولیس والے

مجھے اٹھا لے گئے۔ میں خوف زدہ تھا۔ انہوں نے مجھے انسپکٹر رفیق کے سامنے پیش کر دیا۔ انسپکٹر نے دروازہ بند کیا تو میں اور ڈرا۔ اس نے مجھے دھمکایا کہ وہ مار مار کر میری درگت بنا دے گا۔ البتہ اگر میں اس کے کہنے پر عمل کروں تو مجھے ہیروئن مفت ملے گی۔ میں اور کیا کرتا۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ میں اس کے دفتر سے نکلا تو میرے پاس منی بیلٹ میں ہیروئن تھی۔ اس روز سے مجھے ہیروئن مفت ملنے لگی۔ اس سے پہلے میں اپنے گھر میں چوریاں کرتا رہا تھا۔"

مظہر نے اس کا بیان کاغذ پر لکھا اور پھر دستخط کے لیے اس کی طرف بڑھا دیا۔ نوید نے اس پر دستخط کر دیے۔ "اب بتاؤ۔ میرا کیا ہو گا؟"

"میں نے مستان سے بات کر لی ہے۔ تم اور مستان کل دوپہر ساڑھے گیارہ بجے ڈیوس روڈ پہنچ کر الناصر ریسٹورنٹ میں جا بیٹھنا۔ وہاں سے نارکوٹکس کنٹرول والے تمہیں اٹھا لیں گے۔ میں تمہاری حفاظت کے خیال سے تم دونوں کو کم از کم چھبیس گھنٹے ان کی تحویل میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"پھر اس کے بعد؟ مجھے تھانے میں بند کیا جائے گا۔ یا جیل بھیجا جائے گا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ تم فکر مت کرو۔ تمہیں سلطانی گواہ بنا لیا جائے گا۔ تم نہ تھانے جاؤ گے نہ جیل۔ اب تم جاؤ۔"

لیکن نوید سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔ مظہر کو خاصی دیر بعد احساس ہوا کہ وہ رو رہا ہے۔ وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ مظہر نے سننے کی کوشش کی۔ کچھ دیر بعد سمجھ میں آیا۔ وہ سسک سسک کر رینا کو پکار رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

ایک گھنٹے بعد مظہر اپنے بریف کیس سمیت مستان کی جھونپڑی میں داخل ہو رہا تھا۔ مستان کے پاس پہنچ کر اس نے جیب سے نوید کے اقبالی بیان کی فوٹو کاپی نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی۔ "میں روزنامہ طالع کا رپورٹر مظہر مجید ہوں۔"

مستان نے مہربان نظروں سے اسے دیکھا اور بیان پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور مستفسرانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اب تمہاری باری ہے۔" مظہر نے اس کے خاموش سوال کا جواب دیا۔

"تمہیں میرا اصل نام کیسے معلوم ہوا؟"

"نوید کے ذریعے۔"

"مجھے یہ نام سنے اور پڑھے مدتیں ہو گئیں۔ ذرا مجھے اس نام سے پکارو تو۔" اس کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

"آفاق بشیر!" مظہر نے کہا۔ "میں انسپکٹر رفیق کو سزا دلوانا چاہتا ہوں۔ اسے بچانے کی کوشش کرو گے تو تم بھی مارے جاؤ گے۔"

"کسی شرط کی ضرورت نہیں۔ میں بھی انسپکٹر رفیق کو پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں ایک ثبوت بھی فراہم کروں گا۔" یہ کہہ کر مستان اٹھا۔ اس نے ایک کونے میں رکھا ٹرنک کھول کر اس میں سے ایک کاغذ نکالا اور مظہر کی طرف بڑھا دیا۔ مظہر نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا.........

مستان! آج نعیم کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔

اس کے متبادل کے طور پر میں نے نوید کو منتخب کیا ہے۔

دو ایک دن میں وہ تمہارے پاس منی بیلٹ میں مال لے کر آئے گا۔ آئندہ مال ختم ہونے پر رقم اسی کے ہاتھ بھجوانا۔ ہمیں کسی مقامی لڑکے کی ضرورت ہے۔ نوید مقامی اسکول کے پرنسپل کا بیٹا ہے اور ہمارے مقصد کے لیے بے حد مناسب ہے۔ باقی سب کچھ پہلے کی طرح ہو گا۔

انسپکٹر رفیق احمد'

"ہے نا اہم ثبوت؟" مستان نے پوچھا۔

"بے شک' یہ ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔" مظہر نے کہا۔ "لیکن یہ رقعہ تم تک پہنچا کیسے تھا؟"

"تم یقین نہیں کرو گے۔ یہ رقعہ سربمہر لفافے میں مجھے ایک باوردی پولیس والے نے لا کر دیا تھا۔ میں نے اس وقت بھی سوچا تھا کہ کچھ کروں لیکن جب قانون کے محافظ قانون شکنی کے مرتکب ہوں تو آدمی فریاد کرنے کہاں جائے۔ اس وقت شاید مجھے پریس کی قوت کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔"

"تم انسپکٹر رفیق کو سزا پاتے دیکھنا چاہتے تھے۔ کیوں؟" مظہر نے پوچھا۔

"میں قیدی ہوں۔ کھلی فضا میں رہتا ہوں مگر قید ہوں۔ مجھے یہ ساحل ایک وسیع و عریض حوالات کی طرح محسوس ہوتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"میں اپنی آخری پونجی سے ہیروئن خرید کر یہاں آیا تھا' سوچا تھا کہ ہیروئن فروخت کروں گا تو مجھے اس سے محرومی کبھی نہیں ہو گی۔ مگر جانتے ہو کیا ہوا؟ انسپکٹر رفیق نے مجھے اٹھوالیا۔ اس نے کہا کہ تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ میرے لیے کام کرو یا جیل جاؤ۔ مجھے جیل جانا قبول نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی غلامی قبول کر لی۔"

"تو تمہیں کچھ بھی نہیں ملتا؟"

"سوائے ہیروئن کے کچھ نہیں ملتا۔ میں نے کہا نا' میں انسپکٹر رفیق کا آزاد قیدی ہوں۔"

"لیکن مستان! میں جانتا ہوں' تم ذہین آدمی ہو تم حکام بالا سے رابطہ کر کے انسپکٹر رفیق کو گرفتار کرا سکتے تھے۔"

"تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ میں خود ہیروئن کا عادی ہوں۔" مستان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "میں اسکول ٹیچر تھا۔ بچوں کو تعلیم دیتا تھا' ملک و قوم کے مستقبل کی تعمیر میں ہاتھ بٹاتا تھا لیکن اس نشے کی بدولت اب میں انہیں تعلیم کے بجائے ہیروئن......... زہر دیتا ہوں اور پھر انسپکٹر کے پاس بھی تو میرے جرائم کے ثبوت تھے۔ میں تحفظ کی گارنٹی چاہتا ہوں۔ تم مجھے یہ گارنٹی دے سکتے ہو؟"

"ہاں۔ کل تم اور نوید ڈیوس روڈ پر الناصر ریسٹورنٹ میں پہنچ جانا۔ وہاں سے نارکوٹکس والے تمہیں اٹھالیں گے۔ میں گارنٹی دیتا ہوں کہ تم دونوں کو سزا نہیں ہو گی بلکہ تم دونوں کا علاج کرایا جائے گا اور تمہیں اس لعنت سے چھٹکارا دلایا جائے گا۔"

"تو اب میرا بیان لکھ کر مجھ سے دستخط کرا لو۔"

☆=====☆======☆

ساحل پر مظہر کا کام ختم ہو چکا تھا۔ البتہ خالد محمود والی الجھن اب بھی موجود تھی۔ خالد محمود اب تک ہر اعتبار سے اچھا آدمی ثابت ہوا تھا۔ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے بے وفائی کر رہا ہے لیکن اس کی وجہ بھی انسانی ہمدردی ہی ثابت ہوتی ہے۔ نگینہ رشید کوئی خوب صورت عورت نہیں تھی۔ وہ عمر میں بھی اس سے بڑی تھی جبکہ خالد

چاہتا تھا تو اسے حسین سے حسین لڑکی کی قربت نصیب ہو سکتی تھی۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ نگینہ کی بیوگی کے بعد اس کے معاشی مسائل حل کرنے کے بعد وہ اسے تنہائی سے بچا کر بہت بڑا ایثار کر رہا ہے۔ یہ بھی طے تھا کہ اس نے نگینہ کو اپنی بیماری یا اپنی موت کے منصوبے کے متعلق کچھ نہیں بتایا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی عملاً ثابت ہو گیا تھا کہ صفیہ خالد کے نزدیک شوہر سے بے وفائی کوئی بڑی بات نہیں۔

مظہر نے ملتان کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے محمود کیانی کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو.........؟"

"کیانی صاحب' میں پھر آپ کو پریشان کر رہا ہوں۔" مظہر نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"شاید آخری بار۔"

"ایسا نہ کہو بیٹے۔ تم سے خالد کے متعلق باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ بلکہ تم سے باتیں کرنا بھی اچھا لگتا ہے۔ ویسے یہ بتا دوں کہ میں اور میری وہ بہ عافیت ہیں اور سناؤ۔ ایوارڈ وصول کرنے جا رہے ہو یا نہیں؟"

"جی ہاں جناب۔"

"مجھے خوشی ہوئی یہ سن کر۔ تم نے درست فیصلہ کیا ہے۔"

"شکریہ جناب۔ میں اس لڑکی کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ جس کی وجہ سے خالد صاحب نے باکسنگ کو خیرباد کہا۔"

"کیسی عجیب بات ہے۔ تم انشورنس کے آدمی ہو لیکن تفتیش کرتے ہو پولیس کے انداز میں۔"

"انشورنس والے بھی آدھے پولیس والے ہوتے ہیں۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔ اس لڑکی کا نام سعدیہ تھا۔ بڑی پیاری لڑکی تھی۔ میں اور میری بیوی دونوں ہی اسے پسند کرتے تھے اور اپنی بہو بنانا چاہتے تھے لیکن سعدیہ کے والدین کو یہ رشتہ پسند نہیں تھا۔ انہیں خالد کے روشن مستقبل پر یقین بھی نہیں تھا۔ چنانچہ اس روایتی محبت کا بھی وہی انجام ہوا۔ سعدیہ کی شادی ایک زمیں دار سے ہو گئی۔ چھ سال بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ایک بیٹا بھی ہے۔"

"وہ خالد کی شادی سے پہلے بیوہ ہوئی تھیں؟" مظہر نے پوچھا۔

"نہیں۔ سعدیہ اب اپنے والدین کے پاس ہے' اپنے بیٹے سمیت۔ اور ہاں' ابھی

کل ہی تو کراچی گئی ہیں۔"

"کراچی! کل! کس سلسلے میں؟"

"کچھ دن اپنے کسی رشتے دار کے ہاں گزارے گی جو کراچی میں رہتے ہیں۔ اس کا بیٹا وحید بھی اس کے ساتھ ہے۔"

"بہت بہت شکریہ کیانی صاحب۔ آپ نے میری بہت مدد کی ہے۔ اب شاید آپ کو کبھی زحمت نہ دوں گا۔"

"نہیں بیٹے۔ زحمت کیسی؟ مجھے تو خوشی ہے۔ آئندہ بھی کبھی ضرورت پڑے تو مجھے فون کرتے ہوئے مت' ہچکچانا۔"

☆=====☆=====☆

فلیٹ سے نکل کر مظہر نے موٹر سائیکل سنبھالی اور شہر کے اس حصے کا رخ کیا' جہاں بہت سارے ہوٹل تھے۔ پانچویں ہوٹل میں اسے مطلوبہ معلومات حاصل ہو ہی گئیں۔ کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ سعدیہ نصیر اور وحید نصیر آج ہی پہنچے ہیں اور کمرہ نمبر ۳۱۸ میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

"کب واپس جا رہی ہیں وہ؟" مظہر نے پوچھا۔

"کل رات نو بجے۔" کلرک نے جواب دیا۔

وہ پھر گھر واپس آیا اور فون پر سوئس ایئرویز کا نمبر ملایا۔ وہاں سے تصدیق ہو گئی کہ اگلے روز یعنی جمعرات کو بارہ بجے جنیوا جانے والی پرواز کے مسافروں کی فہرست میں سعدیہ نصیر اور وحید نصیر کے نام بھی موجود ہیں۔

اگلی کال سے پہلے وہ کچھ دیر ٹہلتا اور سوچتا رہا۔ پھر اسے احساس ہوا کہ مزید کال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اب اسے سوچنا اور عمل کرنا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس کے پاس پچیّس گھنٹے بیس منٹ کی مہلت تھی۔ اس نے مکمل لائحۂ عمل تیار کیا اور اس پر نظر ثانی کے بعد مطمئن ہو گیا۔

ساڑھے سات بجے اس نے رات ڈیڑھ بجے کا الارم لگایا اور سو گیا۔

رات تین بج کر بیس منٹ پر اس نے اپنی موٹر سائیکل خیابان کے علاقے میں خالد محمود کے بنگلے کے سامنے والی جھاڑیوں میں چھپائی اور گیٹ پھاند کر بنگلے میں داخل ہو گیا۔ خالد نے غلط نہیں کیا تھا۔ اگر کتے ہوتے تو اس وقت لان میں کھلے ہوتے۔ پھر خالد کی دوسری بات بھی درست ثابت ہوئی۔ کئی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کھڑکی سے اندر

داخل ہوا تو سیدھا لائبریری کی طرف گیا۔

چاندنی اچھی خاصی تھی۔ روشنی کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے میز کی دراز کھول کر ۳۸ بور کا ریوالور نکالا اور اسے کھول کر چیک کیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق ریوالور خالی تھا۔ اس نے ریوالور کو دوبارہ دراز میں رکھ دیا۔

اپنے فلیٹ میں واپس پہنچ کر وہ خبر لکھنے میں مصروف ہو گیا' جو جمعے کے اخبار میں چھپنا تھی۔

رپورٹر مظہر مجید' ۷ اگست۔ ساحل سمندر کے اس حصے پر' جسے نشے بازوں نے جنت کا نام دیا ہے' ایک پندرہ سالہ لڑکی کی لاش ریت میں دبی پائی گئی۔ لڑکی کو نشے بازوں نے رینا کی حیثیت سے شناخت کر لیا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کا تعلق کہاں سے ہے۔ لواحقین کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ اندازہ ہے کہ اس کی موت اتوار کی شب اور پیر کی صبح کے درمیان کسی بھی وقت ہوئی ہے' موت کا سبب مارفین کا اوور ڈوز تھا۔ آج صبح کسی نے گمنام کال کے ذریعے پولیس کو اس مقام کے متعلق بتایا تھا' جہاں لڑکی دفن پائی گئی۔

لڑکی کے لواحقین کا پتا چلانے کے لیے پولیس بھرپور کوشش کر رہی ہے۔

پھر اس نے دوسری خبر لکھی......... رپورٹر مظہر مجید۔ خصوصی رپورٹ۔ خیابان تھانے کے انچارج انسپکٹر رفیق کی گرفتاری۔

آج مقامی روزنامے طالع کی جانب سے نارکوٹکس بیورو کے چیف کو ثبوت فراہم کیے گئے' جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیابان تھانے کا انچارج انسپکٹر رفیق ساحل کے علاقے میں منشیات کی سپلائی میں ملوث ہے۔ اس سلسلے میں آفاق بشیر عرف موٹے مستان اور نوید سلمانی نے رضاکارانہ طور پر اپنے اقبالی بیانات دستخط کر کے راقم الحروف کو دیے تھے۔ ان کے مطابق موٹا مستان ساحل پر منشیات فروخت کرتا تھا' جو نوید سلمانی کے ذریعے اس تک پہنچتی تھی۔ اس کے علاوہ موٹے مستان کے نام انسپکٹر رفیق کا ایک رقعہ بھی شواہد میں شامل ہے جو اس نے نوید کو پہلی بار ترسیل میں ملوث کرتے وقت تحریر کیا تھا۔

تفصیلات کچھ یوں ہیں..........

خبریں مکمل کر کے اس نے دفتر فون کیا اور مینجر کو طلب کیا۔ پھر اس نے خبریں لفافے میں رکھ کر لفافہ سربمہر کر دیا۔ تصویریں وہ پہلے ہی دفتر بھیج چکا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے سب سے پہلے وہ گمنام کال کی' جس کا تذکرہ وہ پہلے ہی اپنی خبر میں کر

چکا تھا۔ اس نے خیابان پولیس کو اس جگہ کے متعلق بتایا' جہاں اس نے ریٹا کو دفن کیا تھا۔

دفتر سے مینجر آکر خبریں لے جا چکا تھا۔ مظہر نے اسی کے ہاتھ مستان اور نوید کے بیانات اور انسپکٹر رفیق کا رقعہ بھی بھجوا دیا۔ ان تینوں دستاویزات کی ایک کاپی نارکوٹکس کنٹرول کے چیف کو اور دوسری ایس پی ایسٹ کو بھیجی گئی تھی۔

مینجر کے جاتے ہی اس نے ایک اور نمبر ملایا۔ وہ ایس پی غفور کے گھر کا نمبر تھا۔

"میں مظہر مجید بول رہا ہوں۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کہو مظہر' کیا حال ہے؟ کیا خبریں ہیں؟"

"میں نے ایک سربمہر لفافہ آپ کے دفتر بھجوایا ہے۔ اس میں کچھ دستاویزات ہیں۔ آج آپ جلدی آفس پہنچ جائیں تو اچھا ہو گا۔"

"میں دفتر کے لیے نکل ہی رہا تھا۔ دستاویزات کی نوعیت کیا ہے؟"

"پڑھ کر خود ہی دیکھ لیجیے۔ قصہ مختصر یہ کہ آپ کا ماتحت' خیابان تھانے کا انچارج انسپکٹر رفیق منشیات فروشی کرا رہا ہے۔"

"رفیق! اس کا تو ریکارڈ بے داغ ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہرحال آپ کو اس کی گرفتاری کے انتظامات کرنا ہوں گے۔"

"کوئی صحافی بے بنیاد بات نہیں کرتا' اس لیے میں نے خود کو ذہنی طور پر اس کے لیے تیار کر لیا ہے لیکن اس میں وقت لگے گا۔" دوسری طرف سے ایس پی نے جواب میں کہا۔

"وقت لگے گا؟"

"ہاں۔ میں تمہاری دستاویزات دیکھوں گا۔ ان کی اہمیت سمجھوں گا۔ پھر ان کی نقول بنوانا ہوں گی۔ نارکوٹکس والوں سے رابطہ کرنا ہو گا۔"

"میں نے ان دستاویزات کی نقول نارکوٹکس کنٹرول کو بھی بھجوائی ہیں لیکن انسپکٹر رفیق کو جلد از جلد گرفتار کرنا ہی بہتر رہے گا اور ہاں.......... ایک بات اور۔ میں نے ان دو افراد کو تحفظ دلانے کا وعدہ کیا ہے' جنھوں نے رضاکارانہ طور پر اقبالی بیانات دیے ہیں۔ وہ دونوں ساڑھے گیارہ بجے ڈیوس روڈ کے الناصر ریسٹورنٹ میں بیٹھے ملیں گے۔ پلیز.......... انہیں حفاظت کے خیال سے اپنی تحویل میں لے لیں۔ ان میں سے ایک کا نام نوید ہے

اور دوسرے کا مستان۔"

"ٹھیک ہے مظہر۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ تم نے زبردست کام کیا ہے لیکن مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ انسپکٹر رفیق ایسا ہو سکتا ہے۔"

"میں بھی اندھا دھند شک کرنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"میں جانتا ہوں مظہر۔ تم ملک کے چند ذمے دار صحافیوں میں سے ایک ہو۔ تمہیں پتا ہے' میں تمہارا کتنا احترام کرتا ہوں۔"

"شکریہ سر۔ اب اجازت۔"

ریسیور رکھنے کے بعد وہ سو گیا۔ کچھ دیر سونے کے بعد وہ اٹھا۔ جاگنے کے بعد اس نے دو کاربن پیپر استعمال کرتے ہوئے مختار جعفری کے نام ایک خط لکھا۔ اس نے اوریجنل خط اور پہلی کاپی پھاڑ دی اور دوسری کاپی تہہ کر کے جیب میں رکھ لی۔

ساڑھے گیارہ بجے فون کی گھنٹی بجی اور مسلسل بجتی رہی۔ مظہر نے فون نہیں اٹھایا۔ اسے یقین تھا کہ یہ ممی کا فون ہو گا یا سارہ کا۔ اب تک اس کی بھجوائی ہوئی خبر پڑھ لی گئی ہو گی۔ وہ دونوں خبر پڑھنے کے بعد ہچکچا رہے ہوں گے۔

اس نے کھانا کھایا اور پرسکون انداز میں بستر پر لیٹا رہا۔ تین بجے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ "آپ.......... اور یہاں!" مظہر نے حیرت سے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ "آئیے.......... تشریف لائیے۔"

وہ خاموشی سے اندر آئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ "مسٹر مظہر مجید' رپورٹر روزنامہ طالع۔ آپ کو کئی وضاحتیں کرنا ہیں۔" وہ سنگین لہجے میں بولی۔

"آپ کو میرے متعلق کیسے معلوم ہوا؟"

"بس' معلوم ہو گیا۔ تمہیں پتا بھی نہیں چلا تھا اور میں نے پہلے ہی دن اپنے پولو رائڈ کیمرے سے تمہاری تصویر کھینچ لی تھی۔ دوسری ملاقات کے بعد اچانک مجھے احساس ہوا کہ تم بڑے ماہرانہ انداز میں میرے شوہر کے متعلق پوچھ گچھ کرتے رہے ہو۔ غیر محسوس طور پر۔ میں وجہ جاننا چاہتی ہوں۔" صفیہ نے کہا اور پرس سے تصویر نکال کر مظہر کی طرف بڑھا دی۔ مظہر نے تصویر دیکھی۔ تصویر ٹینس کلب میں اس وقت لی گئی تھی' جب وہ کھڑا مختار جعفری سے ہاتھ ملانے کے بعد باتیں کر رہا تھا۔

"میں نہ آپ کو انویسٹی گیٹ کر رہا ہوں' نہ آپ کے شوہر کو۔ مجھے آپ کے والد سے کچھ معلوم کرنا تھا۔"

"کیا معلوم کرنا تھا؟"

"یہ کہ انہوں نے ساحل پر منشیات کا قلع قمع کرنے کے لیے ملی امداد کی پیشکش واقعتاً کی تھی۔"

"اور یہ معلوم کرنے سے تمہیں کیا فائدہ ہوا؟ یہ معلوم کرنا ضروری کیوں تھا؟"

"کل صبح کا اخبار دیکھ لیجئے گا۔ میں نے تین ہفتے کی محنت کے بعد ساحل پر منشیات کے موضوع پر فیچر لکھا ہے۔"

"بہت خوب! یہ تو واقعی بڑا کام کیا ہے تم نے لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' منشیات کے موضوع پر گفتگو میرے والد نے شروع کی تھی.......... تم نے نہیں۔"

"یہی تو میرا کمال ہے۔ میں نے انہیں یا آپ کو احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ میں ان سے کچھ اگلوا رہا ہوں اور میں نے کام کی بات معلوم بھی کرلی۔"

"خیر تمہاری اس صلاحیت کی تو میں بھی معترف ہوں۔ میں ذہنی طور پر بے حد الرٹ رہتی ہوں لیکن میں بھانپ نہیں سکی کہ تم معلومات حاصل کرنے کے چکر میں ہو۔" صفیہ نے کہا۔ "اور تمہیں خالد کے متعلق اتنا کچھ معلوم تھا کہ کسی کو شک بھی نہیں ہوا کہ تم اس سے کبھی ملے بھی نہیں ہو۔"

"اسی کو تو اخباری ریسرچ کہتے ہیں۔" مظہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ تمہارے سوالات کا رخ خالد کی طرف تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ تم ان کی صحت کے متعلق جاننا چاہتے ہو۔"

مظہر اس عورت کی ذہانت کا قائل ہوگیا۔ وہ نہ صرف ذہین تھی بلکہ اپنی ذہانت کو استعمال کرنے کے ہنر سے بھی خطرناک حد تک واقف تھی۔ "وہم ہے آپ کا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"جو کچھ میرے اور تمہارے درمیان ہوا' کیا وہ بھی تمہاری انویسٹی گیشن کا حصہ تھا؟" صفیہ نے نظریں جھکاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ایسی بات نہیں۔"

"کاش! یہ سچ ہو۔"

"تم اپنے شوہر کو روزنامہ طالع کے رپورٹر مظہر مجید کے بارے میں بتاؤ گی؟" اس بار مظہر نے اسے بے تکلفی سے مخاطب کیا۔

"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔" صفیہ نے کہا۔ "اب میں چلتی ہوں۔ آج

جمعرات ہے۔ نوکر چھٹی پر ہیں۔ مجھے گھر جا کر اپنی بچی کو لینا ہے اور پھر کلب جانا ہے تاکہ میٹنگ میں شریک ہو سکوں۔"

☆=======☆=======☆

چھ بجے کے قریب دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ مظہر نے دروازہ کھولا۔ دروازے پر دو اشخاص موجود تھے اور وہ یقینی طور پر سادہ لباس والے تھے۔

"مظہر مجید صاحب؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ وہ تو کہیں گئے ہوئے ہیں۔" مظہر نے کہا۔ "میں ان کا وکیل ہوں۔ غفار میرا نام ہے۔ فرمائیے' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ہم فراڈ کے الزام میں انہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔ وارنٹ ہے ہمارے پاس۔"

"مجھے معلوم ہے۔ اس سلسلے میں مظہر صاحب کو مشورہ بھی دے چکا ہوں۔"

"ہم پہلے بھی کئی بار یہاں آچکے ہیں۔ آئے دن ان کے قرض خواہ ان کے وارنٹ نکلواتے رہتے ہیں۔"

"مجھے یہ بھی معلوم ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ رات دس بجے میں خود انہیں لے کر تھانے آؤں گا۔ آپ کو زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔"

"شکریہ جناب۔"

ان کے جانے کے بعد بھی مظہر اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ ویسے اسے احساس تھا کہ یہ فلیٹ اب اس کے لیے مخدوش ہوگیا ہے۔ پھر بھی کچھ وقت تو گزارنا ہی تھا۔

☆========☆======☆

جمعرات کی رات تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ مظہر کھڑکی کے راستے لائبریری میں داخل ہوا۔ خالد محمود چرمی کرسی میں نیم دراز سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے بال رنگوا لیے تھے......... بالکل سیاہ۔

"مسٹر خالد محمود! روزنامہ طالع کا رپورٹر مظہر مجید آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے۔" مظہر نے کہا۔ "میں ایک فون کر سکتا ہوں؟"

خالد چونک کر اٹھ بیٹھا۔

مظہر نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا اور بولا۔ "اسے پڑھنے میں آپ کو زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے خط کی کاپی نکال کر خالد کی طرف بڑھادی۔ یہ وہی خط تھا' جو اس نے مختار جعفری کے نام لکھا تھا' مگر پھاڑ دیا تھا۔ البتہ اس کی کاربن کاپی

لکھ لی تھی۔ "اس کی ایک کاپی پولیس کو پہنچ جائے گی' اگر میں نے دس بجے تک اپنے دوست کو فون پر خیریت کی اطلاع نہ دی۔"

مظہر نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ہیلو غفار صاحب' جی میں مظہر بول رہا ہوں۔"

خالد خط پڑھنے لگا۔

جناب مختار جعفری' میں آپ کو اطلاع دے رہا ہوں کہ آج رات آپ کے داماد خالد محمود نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ جلی ہوئی لاش' انگلی میں خالد کی شادی کی انگوٹھی اور جیب میں طلائی سگریٹ کیس ہونے کے باوجود خالد کی نہیں' میری ہے۔ خالد محمود آج رات سوئس ایئر کی بارہ بجے والی فلائٹ سے جنیوا جا رہے ہیں۔ ان کے پاس میرا پاسپورٹ ہو گا وہ میرے نام سے سفر کریں گے' انہوں نے اپنے بال سیاہ رنگوا لیے ہیں۔ ان کے ساتھ سعدیہ نصیر نامی ایک خاتون اور اس کا بیٹا وحید نصیر بھی ہو گا.........

سعدیہ نصیر' خالد کی پہلی محبت ہے جس کی شادی ایک زمیندار سے ہوئی تھی اور اب وہ بیوہ ہے۔ خالد اس کی محبت کو کبھی دل سے نہیں نکال سکے۔

جناب' خالد محمود کے پاس تیس لاکھ روپے کیش بھی ہیں' جو انہوں نے اپنے اور صفیہ کے اسٹاک بیچ کر حاصل کیے ہیں۔ خالد نے یہ تاثر دیا تھا کہ اس رقم سے وہ گجرات میں زرعی زمین خریدنے والے ہیں۔

آپ کو میرے خون ناحق کا حساب لینا ہو گا ورنہ قیامت کے دن آپ کا گریبان ہو گا اور میرے ہاتھ۔

خلوص کیش مظہر مجید۔

رپورٹر روزنامہ طالع

"ہیلو......... غفور صاحب۔ آپ سنائیے' کیا پوزیشن ہے؟ ثبوت تو مؤثر ہیں نا؟ شکریہ۔ مستان اور نوید کو پناہ میں لینے کا بہت بہت شکریہ۔ ایک بات اور........."

خالد محمود اب خط کی کاپی کو دوسری بار پڑھ رہا تھا۔

"آپ نے ابھی تک انسپکٹر رفیق کو گرفتار نہیں کیا ہے؟" مظہر نے پوچھا۔ اس کی نظر میز کے ساتھ رکھے ہوئے دو ایک جیسے سوٹ کیسوں پر پڑی۔

"وہ آج دفتر بھی نہیں آیا اور گھر پر بھی نہیں ہے۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"میرا خیال ہے' فلیٹ سے نکلنے کے بعد سے اب تک وہ میرا تعاقب کرتا رہا ہے۔"

"تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟"

"میں اس وقت خیابان کے علاقے میں ہوں۔"

"کیا وہ اب بھی تمہارے قریب ہے؟"

"میرا اندازہ یہی ہے۔ وہ اپنی کار میں تھا۔"

"نارکوٹکس ایجنٹ خیابان تھانے اور اس کے گھر کے پاس گھات لگائے بیٹھے ہیں۔"

"آپ انہیں یہاں پہنچنے کی ہدایت نہیں دے سکتے؟"

"میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔"

مظہر نے شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھا اور خالد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ خط کی کاپی ہاتھ میں لیے کرسی پر بیٹھا تھا۔ ساتھ رکھی میز پر اس کا طلائی لائٹر اور شادی کی انگوٹھی رکھی تھی۔

"میرا خیال ہے' اب تم نے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کا ارادہ ترک کر دیا ہو گا۔"

"ظاہر ہے۔"

"پتا ہے' کھیل کیسے خراب ہوا؟ تمہاری بیوی نے مجھے سوئمنگ ٹرنکس میں دیکھ کر کہا تھا کہ خالد کی اور تمہاری صورتیں جدا ہیں۔ بالوں کی رنگت میں فرق ہے لیکن جسم کی بناوٹ بالکل ایک جیسی ہے۔ اس تبصرے کے بعد میری سمجھ میں ہر بات آگئی۔ میں سمجھ گیا کہ تم نے ساحل پر موجود نشے بازوں میں سے خاص طور پر مجھے ہی کیوں منتخب کیا۔ تم نے سوچا تھا کہ تم باکسر رہے ہو۔ بہ آسانی مجھ پر قابو پا کر مجھے بے ہوش کر دو گے۔ پھر میرا گلا گھونٹ کر مجھے ختم کرو گے اور اس کے بعد کار کا حادثہ۔ میری جلی ہوئی لاش بغیر کسی شبہے کے تمہاری تسلیم کر لی جائے گی۔"

"یہ درست ہے۔" خالد نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"ان اٹیچی کیسوں میں تیس لاکھ روپے ہوں گے؟"

"ہاں۔"

"انہیں تم لے کر کیسے جاتے؟"

"یہ امریکی ڈالرز کی شکل میں ہیں اور میں نے ایئرپورٹ پر اپنے ایک دوست سے بات کر لی تھی۔"

"بہت خوب!"

"داد کے مستحق تو تم ہو۔" خالد اب بھی پُرسکون تھا۔ "تم نے اتنی ہوشیاری سے انویسٹی گیشن کی کہ مجھے ہوا بھی نہ لگنے دی۔"

"تو آج تم مجھے قتل کر دیتے۔ یہی نیت تھی تمہاری؟"

"ہاں۔"

"میں نے ایک ہفتہ تمہاری شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے' اسی لیے میں الجھن میں ہوں۔ تم بہت اچھے اور اصول پرست آدمی ہو۔ ایسے میں تم قتل جیسے جرم کا ارتکاب کیسے کر سکتے ہو؟"

"تم شاید یہ پوچھ رہے ہو کہ میرے پاس قتل کے لیے کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔"

"ہاں' میرا یہی مطلب تھا۔"

"اخلاقی جواز تو ہے۔ مجھے اس شخص کو قتل کرنے کا پورا پورا حق ہے' جو مجھے قتل کرنے پر رضامند ہو گیا ہو۔ کیا تم متفق نہیں ہو؟"

"اوہ! اتنی سادہ سی بات!"

"اب کیا پروگرام ہے مسٹر مظہر مجید؟" خالد نے پوچھا۔

مظہر نے اسے بغور دیکھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تیزی سے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ "میرا خیال ہے' تم اب بھی معاہدے پر عمل در آمد کا ارادہ رکھتے ہو۔" خالد نے کہا۔

مظہر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"اس میں تمہارا کوئی قصور بھی نہیں۔ میں تمہیں پکڑے جانے سے بچانے کا یقینی سامان کر چکا ہوں۔ پچاس ہزار روپے کے بجائے تیس لاکھ روپے تمہارے قدموں میں پڑے ہیں۔ اتنی بڑی رقم کے لیے تو کسی کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔" خالد کا تجزیہ جاری رہا۔ مظہر کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ "بس ایک بات تمہارے خلاف جاتی ہے۔" خالد نے مزید کہا۔ "وہ یہ کہ میز کی دراز میں رکھا ہوا ریوالور خالی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" مظہر نے کہا۔ "آج صبح میں یہاں آکر دراز چیک کر چکا ہوں۔ تمہارے ملازم واقعی غیر ذمے دار ہیں۔ کھڑکیاں بند کرنا بھول جاتے ہیں۔"

"اوہ! تب تو تم اپنے طور پر آلۂ قتل کا انتظام کر کے آئے ہو گے؟"

"نہیں۔ میں جیب میں صرف کارتوس ڈال کر آیا ہوں۔"

خالد کھڑکی کی طرف بڑھ گیا اور باہر جھانکنے لگا۔ مظہر نے بڑھ کر میز کی دراز کھولی' ریوالور نکالا اور اسے لوڈ کرنے لگا۔ "یہ مجھے پہلے ہی بتا چکے ہو کہ تمہارا ریوالور استعمال کرنا کس قدر محفوظ ہو گا۔" اس نے خالد کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تم دستانے پہننا بھول گئے ہو۔" خالد نے اعتراض کیا۔

"رومال نشانات انگشت جیسی ہر چیز مٹا دیتا ہے۔"

"خدا کی پناہ!"

"تم نے نہ صرف اپنے قتل کا بے داغ منصوبہ بنایا بلکہ مجھے جواز بھی فراہم کر دیا۔"

"وہ کیسے؟" خالد نے پلٹتے ہوئے پوچھا۔ اب کھلی ہوئی کھڑکی اس کی پشت پر تھی۔

"تمہارا جواب تم ہی کو لوٹا رہا ہوں۔ مجھے اس شخص کو قتل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے' جس نے مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔"

"بات تو معقول ہے۔"

"دیکھو نا......... میں تمہیں صرف پچاس ہزار کے لیے قتل کر رہا تھا۔ اب تو بات تیس لاکھ کی ہے۔"

"تم مجھ سے بلی چوہے والا کھیل کھیل رہے ہو۔" خالد کی آواز لرز رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" مظہر نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو میں پہلے کی طرح پھر درخواست کروں گا کہ مجھے جلدی سے اور اذیت پہنچائے بغیر قتل کرنا۔"

"خود ہی بتا دو۔ سر کا نشانہ لوں یا دل کا؟"

"پلیز......... کچھ تو انسانیت کا ثبوت دو۔"

"خالد محمود! میرا تمہیں قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" مظہر نے کہا اور ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ "میں نہ تمہیں قتل کروں گا' نہ لوٹوں گا' نہ بلیک میل کروں گا اور نہ ہی بے نقاب کروں گا۔ میرے پاس ان میں سے کسی فعل کا کوئی جواز نہیں۔ اب اپنا مسئلہ تم خود حل کرو۔ کوئی اور حل ڈھونڈو سعدیہ سے شادی کا۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"مظہر!" خالد نے اسے پکارا۔ مظہر نے پلٹ کر دیکھا۔ "اگر تمہیں یہ سب کچھ نہیں کرنا تھا تو یہاں آئے کیوں تھے؟"

اسی وقت فائر کی' پھر شیشہ ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور خالد لڑکھڑا کر گرا۔ مظہر اس کے قریب جا کر گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ گولی خالد کے بائیں کندھے کے نیچے پیوست ہوئی تھی۔ اندازہ ہوتا تھا کہ دل نہیں بچا ہوگا۔

"یہ.......... یہ کس نے مجھے شوٹ کر دیا؟" خالد نے اٹک اٹک کر پوچھا۔

"شاید تمہیں یقین نہ آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہیں خیابان تھانے کے انچارج' انسپکٹر رفیق نے شوٹ کیا ہے۔"

"کیوں؟"

"میرے دھوکے میں۔ تمہاری اور میری جسمانی بناوٹ ایک جیسی ہے۔ بالوں کا فرق تھا۔ وہ تم نے بال رنگوا کے دور کر دیا۔ حقیقت یہ ہے خالد کہ تم نے خود کو قتل کیا ہے.......... اپنے ہاتھوں۔"

"مظہر' میری بات سنو۔ یہ رقم تم لے لینا لیکن میرے قاتل کو نہ بخشنا۔ اسے انجام تک ضرور پہنچانا۔"

"وہ تو میں پہلے ہی پہنچا چکا ہوں۔"

لیکن خالد نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ اس کے حواس جواب دے رہے تھے۔

"اسے ہرگز نہ بخشنا مظہر۔ اسے ہرگز نہ بخشنا۔" اس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

مظہر نے اپنے لب اس کے کانوں کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں۔ اسے تمہارے قتل کی سزا ضرور ملے گی۔"

☆======☆======☆

مظہر نے رومال کی مدد سے ریوالور پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات مٹائے اور اسے دراز میں واپس رکھ دیا۔ پھر اس نے دراز کا ہینڈل' ٹیلی فون کا ریسیور' ڈائل اور پھر میز صاف کی۔ اب وہ مطمئن تھا۔ اس نے مختار جعفری کے نام خط کی کاپی جلا کر راکھ واش بیسن میں بہا دی۔ پھر دونوں اٹیچی کیس اٹھا کر وہ بنگلے سے نکل آیا۔ باہر نکل کر اس نے ٹیکسی روکی۔ چند لمحے بعد ٹیکسی اس کے فلیٹ کی طرف رواں دواں تھی۔

دونوں اٹیچی کیس اس نے فلیٹ میں رکھے۔ پھر ایک اٹیچی کیس کھول کر اس میں سے پانچ لاکھ کی رقم نکال کر ایک بڑے لفافے میں ڈالی اور باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی اس نے پھر ٹیکسی روکی۔ اس بار اس نے خالد کے بنگلے کے سامنے ٹیکسی رکوائی۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر رخصت کرنے کے بعد اس نے جھاڑیوں سے موٹر سائیکل نکال کر

اسٹارٹ کی' اب وہ ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا۔

سعدیہ اور وحید کو تلاش کرنے میں کچھ دشواری نہیں ہوئی۔ وہ وقت سے پہلے وہاں پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی ٹرمینل کے سامنے رکنے والی ٹیکسی سے اس نے ایک حسین خاتون اور پانچ چھ سال کے بچے کو اترتے دیکھا۔ وہ ان کی طرف لپکا۔ "آپ سعدیہ صاحبہ ہی ہیں نا؟" اس نے خاتون سے پوچھا۔

خاتون چند لمحے ہچکچائی' پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب دشوار مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ کسی کو خواب اجڑنے کی اطلاع فراہم کرنا آسان تو نہیں ہوتا۔ "مجھے خالد صاحب نے بھیجا ہے۔" اس نے دل کڑا کر کے کہا۔

"لیکن.......... لیکن وہ تو خود آنے والے تھے۔" سعدیہ پریشان ہو گئی۔

اتنی دیر میں وہ مسئلے کا حل ڈھونڈ چکا تھا۔ اس نے لفافہ سعدیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ انہوں نے یہ لفافہ آپ کے لیے بھجوایا ہے اور ہدایت کی ہے کہ آپ اپنے گھر واپس چلی جائیں اور اس لفافے کو گھر پہنچنے سے پہلے کھول کر نہ دیکھیں۔"

"کیا ہوا خالد کو؟ ان کی طبیعت خراب نہیں ہو سکتی۔ مجھے سچ سچ بتائیے' کیا بات ہے؟" وہ رونے لگی۔

"پلیز.......... خود کو تماشا نہ بنائیں۔ میری بات مان لیں۔ حقیقت کا علم آپ کو کل اخبار پڑھ کر ہو جائے گا۔"

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ اس کی نگاہوں سے الجھن ہویدا تھی۔ پھر وہ بولی۔ "مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ خالد میرے پاس آئیں گے یا نہیں؟"

"بشرط زندگی ضرور آئیں گے۔" مظہر نے پوری سچائی سے کہا۔

اس نے سعدیہ اور وحید کو ٹیکسی میں بٹھا کر رخصت کیا۔ پھر موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اپنے فلیٹ کی طرف چل دیا۔ فلیٹ پہنچ کر اس نے دونوں اٹیچی کیس کھولے اور باقی نوٹ گنے۔

پچیس لاکھ روپے۔ زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ دولت کا لالچ کیسا ہوتا ہے۔ اس کا دل بے ایمان ہو رہا تھا۔ اتنی بڑی رقم کی مدد سے تو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ پھر اس کے پاس جواز بھی تھا۔ مرتے ہوئے خالد نے کہا تھا' یہ رقم تم لے لو۔ مگر میرے قاتل کو انجام تک ضرور پہنچاؤ اور خالد کا قاتل تقریباً اپنے انجام تک پہنچ چکا تھا۔ اس لحاظ سے

یہ رقم اس کی تھی۔
مگر پھر اس کے اندر کی سچائی ابھر آئی۔ اس نے فیصلہ کیا اور نہایت آسانی سے کیا۔
اس نے اپنے دونوں قرض خواہوں کو فون کیا اور انہیں فلیٹ پر بلا لیا۔ اس نے قرض ادا کرنے کے بعد ان سے درخواست کی کہ اس کے وارنٹ غیر مؤثر کرا دیں۔ دونوں نے وعدہ کر لیا۔
باقی رقم کے بارے میں اس نے فیصلہ کیا کہ وہ رقم نشے بازوں کے علاج کے لیے زیر تعمیر اسپتال کو بطور گمنام عطیہ بھجوا دے گا۔
فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ ''مظہر اسپیکنگ۔''
''مظہر............! میں ایس پی غفور بول رہا ہوں۔ نارکوٹکس والوں نے انسپکٹر رفیق کو خیابان کے علاقے سے گرفتار کر لیا ہے۔ اس کے پاس ایک رائفل بھی تھی اور اطلاعاً عرض ہے کہ اب اس پر نیشنل ایوی ایشن کے خالد محمود کے قتل کا الزام بھی ہے۔ قتل کا محرک ابھی معلوم نہیں ہو سکا ہے۔''
ریسیور رکھ کر مظہر بستر پر دراز ہو گیا۔ سب کام نمٹ چکے تھے۔ ایک خبر اور تیار تھی۔ قرض ادا کیے جا چکے تھے۔ عدالتوں کے چکر لگانے کے امکان سے نجات مل چکی تھی۔ اگلے روز اسے بیسٹ جرنلسٹ آف دی ایئر کا ایوارڈ وصول کرنا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس کے بعد نجمی سے دو ٹوک بات کرے گا۔ سارہ جیسی نا اہل لڑکی کی ماتحتی اسے گوارا نہیں تھی۔ ویسے بھی منشیات والا کیس اور ایوارڈ مل کر اس کی ساکھ کہیں سے کہیں پہنچا سکتے تھے۔
گویا اب وہ چین سے سو سکتا تھا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ مگر سعدیہ نصیر اور وحید نصیر کی صورتیں اس کی آنکھوں میں پھر گئیں۔ بے چاری سعدیہ! منزل کے کس قدر قریب آ کر لٹی تھی۔ وہ متاسف ہو گیا لیکن کر تو کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔
بالآخر کچھ دیر بعد اسے نیند آ گئی۔

☆======☆======☆